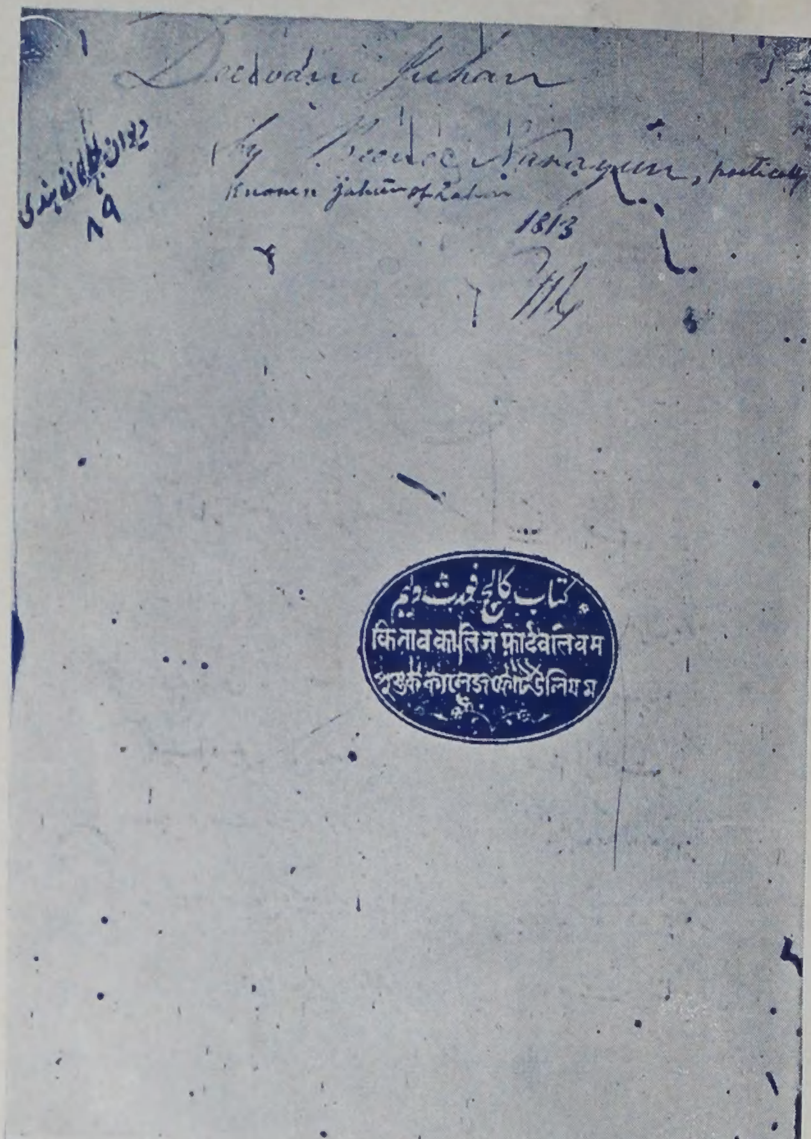
دیوان جہاں

مؤلف

(بینی نرائن)

مرتب

کلیم الدین احمد


Deevani Juhan
by Beenee Narayun, poetically
known Jahan of Patna
1813

دیوان جہان ہندی
۱۹

پٹنہ کالج سے میں نے ایک تحقیقی رسالہ "کرنٹ اسٹڈیز" نکالا تھا، اسی زمانہ میں میں
تذکروں کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ "دیوان جہاں" کا نسخہ بھی نظر سے گذرا۔ خیال ہوا کہ "کرنٹ اسٹڈیز"
کے ایک خاص نمبر میں "دیوان جہاں" کو شائع کر دیا جائے۔ یہ وہی خاص نمبر ہے۔

"بینی نرائن مہاراجہ لکھشمی نرائن کا فرزند اور بھائی کھیم نرائن رند کا۔ یہ شخص عالم آدمی تھا۔
درمیان لاہور کے رہتا تھا۔ اس نے ایک کتاب بنام دیوان جہاں کے تصنیف کی ہے جس میں
اچھے اچھے شعر اکثر انتخاب اشعار شعراء اردو گو کا جن کے اس کو بہم آتے لکھے ہیں۔ اس کتاب کے
دیباچہ میں مصنف اس کتاب کا بیان کرتا ہے کہ وہ ہندوستان میں خوشی اور آرام سے رہتا تھا۔
جب تک کہ اس کی قسمت نے اس سے رشک کھا کر اس کے خوش حالی کو مبدل کیا۔ پھر وہ مجبور
ہو کر کلکتہ کو گیا۔ وہاں بھی اس کی قسمت بد نے اس کی سختی سے پیروی کی۔ وہ بارہ برس بے روزگار
اور بہت تنگ دستی میں رہا۔ آخرش حیدر بخش قابل اور مشہور شاعر نے اس کے حال پر رحم
کھا کر اس کو آرام دیا۔ بلکہ اس نے روبک صاحب سے جو مشہور ہندوستانی زبان داں
تھا اس سے ملاقات کرا دی۔ اس صاحب نے اسے اپنی خدمت میں لیا اور اس کی
تنگ دستی کو بخشش و عزت سے دور کی۔ اسی صاحب کی خواہش سے اس نے بیچ سنہ ۱۸۱۲ء
کے کتاب دیوان جہاں مذکور تصنیف کی تھی۔ اس کتاب میں تین چیزیں ہیں: اوّل مناجات
اور دیباچہ نظم میں، دوسرے مختلف اشعار منتخب، تیسرے چند شعر خود مصنف کے۔
ایک اور کتاب بینی نرائن نے لکھی ہے وہ قصہ شاہ درویش کا ہے جس کا مضمون وہی ہے
جو فارسی قصہ نظم ہلالی میں ہے۔ اور اس کا بھی نام یہی ہے۔ وکسن صاحب کے پاس بھی ایک
قلمی جلد نستعلیق حروف چوورقی جلد میں ہے۔ یہ کتاب اردو زبان میں بینی نرائن کی پہلی تصنیف
تھی۔ فارسی میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ بنام چہار گلشن کے۔ اس کتاب کا ذکر روبک
صاحب نے فورٹ ولیم کے مدرسہ کی رپورٹ میں درمیان صفحہ (۳۲۹) کے لکھا ہے۔ اس

کتاب کی قلمی جلد فورٹ ولیم کے کتب خانہ میں موجود ہے اور حال میں ایشیٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں ہے یہ کتاب بہت دلچسپ ہے۔" [کریم]

"دیوان جہاں" تذکرہ نہیں مجموعہ ہے۔ بینی نرائن اپنے دوستوں کا ذکر بھی تفصیل سے نہیں کرتے :۔

(۱) ولا :۔ بالفعل کلکتہ میں تشریف رکھتے ہیں اور اس خاکسار پر نہایت مہربانی فرماتے ہیں۔
(۲) حیدری : اس خاکسار کو نہایت ان کی خدمت میں بندگی ہے۔ (۳) جواں : اس فقیر کو بھی ان کی خدمت عالی میں نہایت بندگی ہے"۔

اپنے بھائی کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں : "رند تخلص، نام کھیم نارائن۔ مہاراجہ لچھمی نارائن کے پوتے۔ عمدہ روزگار رہے۔ دلی کے رہنے والے اور اب ہگلی تشریف رکھتے ہیں اور یہ خاکسار بھی چھوٹا بھائی انہیں کا ہے"

ہاں تو "دیوان جہاں" تذکرہ نہیں مجموعہ ہے۔ بینی نرائن نے لکھا ہے۔

تلاش و سعی بے حد کر کے فراواں　　جو ہیں اس عصر میں باہم سخنداں
انہوں کے جمع کر اشعار یکسر　　سوا ان کے جو تھے نامی سخنور
انہوں کی بھی غزل اور شعر لکھے　　بہ ترتیب و باتیں جمع کر کے
خدا کے فضل سے دے اس کو انجام　　میں دیواں جہاں اس کا رکھا نام

"تلاش و سعی" کی گئی ہو لیکن زیادہ احتیاط نہیں برتی گئی ہے۔ پھر بھی یہ مجموعہ دلچسپی سے خالی نہیں

"دیوان جہاں" کا نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی" سے ملا تھا۔ یہ نسخہ صاف پختہ حروف میں لکھا ہوا ہے لیکن اغلاط کتابت سے خالی نہیں۔

کلیم الدین احمد

بسم الله الرحمن الرحیم

کر آغازِ سخن حمدِ خدا سے　　پھر اُسکے بعد نعتِ مصطفی سے
خدا خالق ہے ہم ہین آفریدہ　　نبی جتنے ہین سب ہین برگزیدہ
محمد پر ہوئی ختمِ رسالت　　علی ہے مالکِ ملکِ ولایت
ہمیشہ یاد مین اُنکی رہیا کر　　اُنہین کا ساغرِ الفت پیا کر
الہی تیرے بندے جتنے ہین خاص　　جناب اُنکی ہین رکھتا ہون مین اخلاص
مجھے تو اِس وسیلے سے ہر روز　　غمون پر رکھہ مظفر اور فیروز
فلک پر چمکے یون میرا ستارا　　کرین رنج و الم مجھسے کنارا

سبب تالیف

کون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کر آغاز سخن حمد خدا سے — پھر اس کے بعد نعت مصطفیٰ سے

خدا خالق ہے ہم ہیں آفریدہ — نبی جتنے ہیں سب ہیں برگزیدہ

محمد پر ہوئی ختم رسالت — علیؑ ہے مالک ملک ولایت

ہمیشہ یاد تو ان کی کیا کر — انہیں کا ساغر الفت پیا کر

الٰہی تیرے بندے جتنے ہیں خاص — جناب ان کی میں رکھتا ہوں میں اخلاص

مجھے تو اس وسیلے سے شب و روز — غموں پر رکھ مظفر اور فیروز

فلک پر چمکے یوں میرا ستارا — کریں رنج و الم جس سے کنارا

سبب تالیف

کروں ہوں اب میں ظاہر اپنا احوال — مجھے غم نے کیا از بسکہ پامال

رہا ہندوستاں میں با دل شاد — بفضل حق تھا گھر میرا بھی آباد

کیا کرتا تھا میں نت سیر گلزار ۔ نہ تھا غم سے کبھی مجھ کو سروکار
حسد پر چرخ جو آیا یکا یک ۔ تو جوں خورشید دل میرا گیا پک
جو گردش نے مجھے واں سے اٹھایا ۔ نصیبوں نے یہ کلکتہ دکھایا
چھٹا مجھ سے جو ہندوستاں کا گلشن ۔ کیا میں ملک بنگالہ میں مسکن
جو میرے کین میں تھا یہ چرخ دوّار ۔ رہا بارہ برس میں یاں بھی بیکار
جو تھی آٹھوں پہر فکر خور و پوش ۔ ہمیشہ غم سے رہتا تھا ہم آغوش
ہے حیدر بخش نام نامی جن کا ۔ ہیں فن شعر میں جوں دُر یکتا
انہوں نے میرے گھر تشریف لاکر ۔ مری حالت کو دیکھ افسوس کھاکر
یہ فرمایا مجھے از راہِ الفت ۔ نکال اب دل سے تو اندوہ کلفت

یہ کئی بیتیں جناب فیض مآب دستگیر بیکساں و حامی درماندگاں مسٹر ٹامس رُبک صاحب بہادر دام اقبالہ کی تعریف میں ۔

تو کیوں حاضر نہیں ہوتا ہے اُس جا ۔ کہ جس کے فیض کا ہے جگ میں شہرا
وہ ہے ٹامس رُبک صاحب بہادر ۔ ہے جس کے جود و بخشش سے جہاں پُر
جو کوئی التجا اُس پاس لے جائے ۔ وہ اس کے فیض سے لعل و گہر پائے
ہیں اس کے فیض سے سب جزو کُل شاد ۔ رکھے اس جگ میں حق نت اس کو آباد
پناہ بیکساں ہے ذات اس کی ۔ سدا حق خوش رکھے اوقات اس کی

صفت اس کی کروں جو کچھ بجا ہے   خدا نے اس کو سب لایق کیا ہے
الٰہی ہو زیادہ اس کا اقبال   جواں بخت و جواں دولت جواں سال
گیا میں سر قدم کر کے جو اس پاس   مرے دل کا گیا سب رنج و وسواس
ستایش کیا کروں اس کے مکاں کی   زباں کو اب نہیں طاقت بیاں کی
ہوا میں دیکھ اس کو بسکہ دلشاد   پڑا واں یاد مجھ کو شعر اُستاد
اگر فردوس بر روئے زمین است   ہمین است و ہمین است و ہمین است
خداوندا تو رکھ دلشاد اس کو   جہاں میں روز و شب آباد اس کو
کیا ارشاد یوں اس نے کرم سے   تجھے جو لطف کی ہے چشم ہم سے
تو کر شعر و غزل کتنے فراہم   کریں اس کے صلہ کا فکر تا ہم
ہوا یہ بات سنتے ہی میں دلشاد   بجا لایا کیا تھا جو کچھ ارشاد
تلاش و سعی تب کر کے فراواں   جو ہیں اس عصر میں باہم سخنداں
انہوں کے جمع کر اشعار یکسر   سوا ان کے جو تھے نامی سخنور
انہوں کی بھی غزل اور شعر لکھے   بہ ترتیب و بآئیں جمع کر کے
خدا کے فضل سے دے اس کو انجام   میں دیوان جہاں اس کا رکھا نام
کیا تھا چار گلشن پہلے تحریر   صلہ سے اس کے پائی میں نے توقیر
یہ چند اشعار دیباچہ کے مانند   کئے ہیں اس مؤلف نے قلم بند

دُعا پر ختم کر بیتی نرائن　　که مستحسن سخنور کو ہے یہ فن
رہے جب تک که طرز نظم یا رب　　پسند اس کو کریں اہل جہاں سب

الف کے باب میں

آفتاب تخلص، مہر سپہر جہاں بانی، شاہ عالم بادشاہ، جنت آرام گاہ، ابن عالم گیر ثانی کا یہ تصنیف خاص ہے۔

کہو بلبل کو لے جاوے چمن سے آشیاں اپنا
پڑھے گر صد ہزار افسوں نہو گا باغباں اپنا
اٹھا کر لے چلی بلبل چمن سے آشیاں اپنا
کہا گل سے کہ لے یہ بیوفا ہم سے مکاں اپنا
ہوئی جب باغ سے رخصت کہا رو رو کے یاں قسمت
لکھا تھا یوں کہ فصل گل میں چھوڑیں خانماں اپنا
اے صیاد یوں چاہے تو جی اور جان سے حاضر
ولیکن طوق قمری کی طرح کر کے نشاں اپنا

مرا جلتا ہے جی اس بلبل بیکس کی غربت پر
کہ گل کے آسرے پر یوں لٹا یا خانماں اپنا
چلی جب باغ سے بلبل لٹا کر خانماں اپنا
نچھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا
نہ تو نے گل کیا اپنا نہ بلبل باغباں اپنا
چمن میں کس طرح سیتی بنایا خانماں اپنا
یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا
الم کر اس طرح روئی کہ رسوا ہو گئی بلبل
ڈبایا ہائے آنکھوں نے تمامی خانماں اپنا
مگر دل سے بنا رکھتا علی گو ہر سے پیارے کو
وہ حکم شاہی رکھتا ہے تھا مہرباں اپنا

میں کیا کہوں کہ شاد مرا دل ہے اس قدر
آنے کی یار کے مجھے قاصد نے دی خبر
ہے آج میرے غنچہ دل کو شگفتگی
آئی نسیم وصل کے مژدے لئے ادھر
دل میرا خرمی سے نہایت ہے باغ باغ
آتے سنا ہے میں نے وہ گلرو ہے سیمبر
وہ سرو باغ حسن جو آئیگا میرے گھر
قمری نمط نثار کروں گا دل اس اوپر

دلخواہ اس سے لوں گا ثمر عیش کے جبھی　　آوے گا بر میں میرے وہ شمشاد بالا رو

وہ شمع رو رکھے گا جو مجلس میں میری پاؤں　　پروانہ وار اس کے پھروں گا بگرد سر

وہ ماہ رو جو آوے گا مجھ پاس آفتاب

مقدم سے اس کے ہوویگا پر نور میرا گھر

مت پوچھ اپنے ہجر میں اے دلربا مرے　　رویا ہوں یاں تلک کہ ہیں آنکھیں ہنوز نم

مذہب میں عاشقوں کے ہے باللہ فرض عین　　محراب ابروؤں میں ترے سجدہ اے صنم

اوروں سے پیار و لطف کی باتیں مدام ہیں　　کہتے ہو اک مجھی پہ مری جان تم ستم

گذری اک عمر سہتے جفا و ستم ترے　　ٹک تو خدا سے ڈر کے مجھ اوپر کر اب کرم

اے آفتاب مجھ کو تو ہاتف نے دی ندا

تیرے ہی بخت میں ہوں عرب اور عجم

عاجز ہوں ترے ہاتھ سے کیا کام کروں میں　　کر چاک گریباں تجھے بدنام کروں میں

رم رکھتا ہے اے تند خو اب گو کہ تو مجھ سے　　پر دیکھ تو کیسا ہی تجھے رام کروں میں

ہے دور جہاں میں مجھے سب شکوہ تجھی سے　　کیوں کچھ گلہ گردش ایام کروں میں

حیران ہوں ترے ہجر میں کس طرح سے پیارے　　شب روز کو اور صبح کے تئیں شام کروں میں

آوے جو تصرف میں مرے میکدہ ساقی　　اک دم میں خموں کی خمیں انعام کروں میں

مجھ کو شہ عالم کیا اس رب نے نہ کیونکر
اللہ کا شکرانہ اکرام کروں میں

آنکھوں میں ہے تصور صورت کا دل ربا کی
دل میں ادا کھبی ہے اس نازنیں لقا کی

غنچہ دہن وہ میرا بولے ہے کب کسی سے
ان نے جو ہیں اشارت ہونٹھوں میں مسکرا کی

آئینہ پانی پانی کیونکر نہ شرم سے ہو
دیکھی ہے ان نے خوبی تجھ حسن باصفا کی

تیرے لب و دہن کی حسرت سے ہے اے گلرو
غنچہ کو دلفگاری گل کو یہ سینہ چاکی

کہتے ہیں کیا قیامت شاعر جو دے ہیں نسبت
تجھ خوش خرام قد سے سرو شکستہ پا کی

باندھا جو بند تم نے میں اے نگار سمجھا
کر کے بہانہ بر پا بندش لگی حنا کی

غارت کیا دل و دیں چشم سیہ نے اس کی
ہے تو بتا جو کہیے تقصیر تو نے کیا کی

میں چاہوں تم کو پیارے تم اور سے لگاؤ
عہدہ برائی کس سے ہو ایسے افترا کی

روشن جہان نت رہ اے آفتاب عالم
عالم کی جان میں نے تجھ کو یہی دعا کی

کیونکر کسے زندگی ہو بن دیکھے اس صنم کے
دن رات بکلی ہے دوری سے اس قدم کے

اس ماہ رو کا پرتو ہے جلوہ گر سبھی جا
ملوتا ہوں میں تصدق کیا دیر کیا حرم کے

طوفان ہے جدائی تیری مجھے پیارے
ندیاں اب بہے ہیں میری یہ چشم نم کے

جانا نجانا ہرگز محفل سے شمع رو تم
مجھ کو تو ہے قیامت فرقت سے اک قدم کے

محراب مسجدوں کے بھولے ہے اس کو یارو — ہوتا ہے تیغ صدقے اک ابروئں کے خم کے
جس دن کہ گھر ہمارے وہ خوش خرام آیا — تڑپا دل رقیباں ہر نقش پر قدم کے
مژدہ سنا ہے میں نے آنے کا اس پری کے — اے ابر ٹک برسنا آہستہ اب تو تھم کے
کل باغ میں یہ بولی کوئل بعیش و مستی — جاتے رہے جہاں سے اے یار روز غم کے
گلزار سلطنت کا شاداب نت رہے گا — آئی بہار لگ گئے ابر کرم کے جھم کے

ہوں آفتاب عالم مجھ پر ہے فضل یزداں
دیں گے خراج مجھ کو شاہاں عرب عجم کے

آصف تخلص، نام نواب آصف الدولہ وزیر الممالک آصف جاہ یحیی خاں بہادر ہزبر جنگ مرحوم ابن نواب شجاع الدولہ مغفور ابن نواب ابو المنصور خاں صفدر جنگ۔ یہ تصنیف خاص ہے۔

تری تیغ جب ہم الم دیکھتے ہیں — وہیں سر کو اپنے قلم دیکھتے ہیں
جو جلوہ صنم تجھ میں ہم دیکھتے ہیں — خدا کی خدائی میں کم دیکھتے ہیں
شتابی سے آ ورنہ میرے مسیحا — کوئی دم کو ملک عدم دیکھتے ہیں
ملے تم ہو میرے رقیبوں سے جا کر — ہمیں ہیں کہ سو سو ستم دیکھتے ہیں
بہت جھوٹے وعدے کئے تو نے ہم سے — بھلا ہم تو تیری قسم دیکھتے ہیں

تو آوے نہ آوے میاں ہم تو ہر شب　　پڑے راستہ صبح دم دیکھتے ہیں
بتوں کی گلی میں شب و روز آصف
تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

یہ غزل نواب بیگم کی جواب میں اس غزل کے ہے۔

خوشی دل میں ہم اپنے کم دیکھتے ہیں　　اگر دیکھتے ہیں تو غم دیکھتے ہیں
نہ قطرہ کوئی خوں کا باقی ہے دل میں　　نہ آنکھوں میں ہم اپنی نم دیکھتے ہیں
تو آوے نہ آوے یہاں ہم تو ہر شب　　پڑے راہ تا صبح دم دیکھتے ہیں
نگاہ کرم جس جگہ پر کرے تو　　ہم اس جا پہ باغ ارم دیکھتے ہیں
کرم سے ترے شاد و خرم ہیں یہ سب　　مگر ایک ہم ہیں کہ غم دیکھتے ہیں
زیادہ ہو یعقوب سے غم ہمارا　　جو ہم تجھ کو یوسف سے کم دیکھتے ہیں
تبسم بلب ہیں تمامی یہ مردم　　ہم اپنی ہی آنکھوں میں نم دیکھتے ہیں
تمہیں کیا غرض ہے جو آؤ یہاں تک　　ہمیں آن کر آپ قدم دیکھتے ہیں
بہت جھوٹے وعدے کئے تو نے ہم سے　　بھلا اب کے تیری قسم دیکھتے ہیں
کہاں تاب ہے غیر کو دیکھنے کی　　اگر دیکھتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں
کہا ہے جو تم نے یہ اپنی غزل میں　　تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

وہی دیکھتا ہے جو دیکھے ہے سب کچھ
نہ تم دیکھتے ہو نہ ہم دیکھتے ہیں

تجھ سا دلدار ہو اور ناز خرام ایسا ہو
کیونکے دل کفر سے منکر ہو جو رام ایسا ہو

میں ترے صدقے ہوں اور گالیاں تو دے ظالم
بندگی ایسی ہو اور اس کا انعام ایسا ہو

زلف مشکیں میں پری رو کے یہ دل کیوں نہ پھنسے
ایسا صیّاد ہو اور ہاتھ میں دام ایسا ہو

ملتجی مت ہو سوا ذات علی کے آصفؔ
پھر تجھے چاہئے کیا جس کا امام ایسا ہو

اے پری نام خدا تیری سجاوٹ خاصی | قہر چھب تس پہ یہ انگئے کی کساوٹ خاصی
سر کے تعویذ ستم اور فتح پیچ غضب | بال مہکے ہوئے چوٹی کی گندھاوٹ خاصی
پہونچیاں واچھڑے اور کان کی بالی بیداد | نور تن ایسی ہی گہنے کی جڑاوٹ خاصی
گو کھرو دیکھ کے لہرائے یہ دل کہتا ہے | گو کھرو اور بنت کی ہے بناوٹ خاصی
سب سے پوشاک جدی سب سے نرالا نک سک | دانت تصویر ہے مسی کی اداوٹ خاصی
کفش پاؤں میں بھبھوکا ہے مغرّق نادر | اس پہ کافر یہ چلنے کی پھباوٹ خاصی

بند پاجامہ میں چمکے ہے ثریا کی جھلک　　ہے پریزاد کھڑی اور بناوٹ خاصی

قطعہ چولی کا ستم گھیر ہے دامن کا غضب　　آستیں چست بہت اور چناوٹ خاصی

گر حکایت بولے تو پرکالے کی آتش ہو زباں　　ور جو رک جاوے تو رکنے کی رکاوٹ خاصی

کیوں نہ ایسے سے پھنسے دل بھلا انصاف کرو　　گفتگو سحر کمر خوب لگاوٹ خاصی

کیا کیا اظہار میں تم سے کروں اس کا آصفؔ

دست و پا خوب ہیں مہندی کی رچاوٹ خاصی

جس گھڑی تیرے آستاں سے گئے　　ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے

تیرے کوچے میں نقش پا کی طرح　　ایسے بیٹھے کہ پھر نہ واں سے گئے

عشق ہاتھوں سے تیرے کیا کہئے　　نام سے گذرے اور نشاں سے گئے

شمع کی طرح رفتہ رفتہ ہم　　سنیو اک دن کہ جسم و جاں سے گئے

قطعہ

ایک دن ہم نے یار سے جو کہا　　اب تو ہم طاقت و تواں سے گئے

ہنس کے بولا کہ سنتا ہے آصفؔ

یونہیں کہہ کہہ کے لاکھوں یاں سے گئے

یہ اشک چشم میں اب جم رہے رہے نہ رہے

حباب بحر میں کوئی دم رہے رہے نہ رہے

تو اپنے شیوۂ جور و جفا سے مت گزرے
تری بلا سے مرا دم رہے رہے نہ رہے

قمر کو ہوتا ہے ہر ماہ میں کمال و زوال
ترے یہ حسن کا عالم رہے رہے نہ رہے

عرق ہے رخ پہ ترے خوشنما صنم لیکن
ہمیشہ گل پہ یہ شبنم رہے رہے نہ رہے

یہ تیرے وصل و جدائی کا کیا لکھے آصف
یہ اتفاق ہے باہم رہے رہے نہ رہے

آبرو تخلص، عرف شاہ مبارک، نام نجم الدین علی خاں اور محمد غوث گوالیاری کے پوتے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

تمہارا دل اگر ہم سے پھرا ہے — تو بہتر ہے ہمارا بھی خدا ہے
ہماری کچھ نہیں تقصیر لیکن — سبھی تم کو کہیں گے بیوفا ہے
ہوئے ہو اس قدر بیزار ہم سے — کہو ہم نے تمہارا کیا کیا ہے
وہ احمق ہے کہا ہی جس نے تم سے — ملو جس سے تمہارا دل ملا ہے

عبث بیدل کرو مت آبرو کو
مسافر ہے شکستہ ہے گدا ہے

جان اگر دشمن ہوئے ہو تم ہمارے اس قدر — تم ہمارے دل کو کیوں لگتے ہو پیارے اس قدر
گاہ گاہے پیار کی آنکھوں سے کرتا ہے نگاہ — مہرباں ہوتا چلا ہے اب تو بالے اس قدر
دیکھنے کو دور ہے یہ لوگ پوچھیں گے سبھی — آہ سے دل کے نکلتے ہیں شرارے اس قدر
عاجزوں کو بے گنہ آزار دینا خوب نہیں
ڈر خدا سے آبرو کو مت ستارے اس قدر

تمہارے لوگ کہتے ہیں کمر ہے — کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے
کیا ہے بے خبر دونوں جہاں سے — محبت کے نشے میں کیا اثر ہے
تخلص آبرو بیجا ہے میرا
ہمیشہ اشک غم سے چشم تر ہے

اثر تخلص، میر محمد نام، خواجہ میر درد کے بھائی تھے - یہ ان سے ہے -

جی میں ہے از سر نو جور ترے یاد کریں — تو سنے یا نہ سنے نالہ و فریاد کریں
ان بتوں کی ہے بڑی دور یہی دل شکنی — یہ کہاں تجھ یہ کسی دل کے تئیں شاد کریں
ہم اسیروں کی اسے چاہئے خاطر داری — اور الٹی نہ کہ ہم خاطر صیاد کریں

کبھی ایدھر کو بھی ہو جلوہ گری عشوہ گری   تیری دولت کا بھلا ہم بھی تو کچھ یاد کریں

آپ کے دل سے بھلا ٹک تو نکل جائے بخار

اور بھی جی میں جو کچھ ہووے تو ارشاد کریں

قطعہ

حیف میرے یہ آہ کرنے کو   اور ترے ہنس کے واہ کرنے کو

بیٹھ کر دل میں دل ہی لیجئے چرا   واہ یوں گھر میں راہ کرنے کو

واہ وہ دل کہ دیکھ چاہ کا رنگ

پھر ہے موجود چاہ کرنے کو

آمیر تخلص، نام محمد یار خان، نواب علی محمد خاں کے بیٹے - یہ ان سے ہے -

سُرخ چشم اتنی کہیں ہوتی ہے بیداری سے   لہو اترا ہے تری آنکھوں میں خونخواری سے

وقت رخصت کے تری اے مرے جی کی دشمن   تھام تھام آج رکھا دل کو میں کس خواری سے

بس میں آیا جو تمہارے خوشی چاہو سو کرو   کیا ستم آدمی سہتا نہیں لاچاری سے

کس نے نظروں میں خدا جانے اُسے مل ڈالا   نرگس آج آنکھ اٹھاتی نہیں بیماری سے

کیا کہوں ولولہ شوق کو تیرے لیے آمیر

گھر میں جاتے ہیں پہ اُئے تو خبرداری سے

امجد تخلص، نام مولوی امجد مرید مولوی فخرالدین کے۔ رہنے والے شاہجہان آباد کے۔ یہ ان سے ہے۔

جاں بلب تشنہ جگر یاں سے چلا جاتا ہوں بے خبر جلدی سے ساقی کہ موا جاتا ہوں

مت ہم آغوشی کو آنا مرے لے سیل سرشک اپنی ہی موج میں میں آپ بہا جاتا ہوں

حشر میں بھی نہ اٹھوں گا میں ٹک اک آنکھ لگی اپنی بیداری سے میں تنگ دکھا جاتا ہوں

ایک عالم نے تری تیغ سے پائی ہے نجات سب گنہگاروں میں اک میں ہی کھا جاتا ہوں

جو کہا تو نے کہ آ بیٹھ تو میں بیٹھ گیا جو کہا تو نے کہ جا یاں سے کہا جاتا ہوں

جس گھڑی آپ کو دیکھوں ہوں میں جوں قطرہ اشک
اپنی نظروں سے بھی امجد میں گرا جاتا ہوں

احسن تخلص، نام مرزا احسن علی۔ لکھنؤ میں نواب سرفرازالدولہ حسن رضا خاں کے پاس نوکر تھے۔ یہ ان سے ہے۔

کہا جو میں نے کہ رخ کو ترے قمر نہ لگا بگڑ کے بولا کہ چل کبھی ادھر نظر نہ لگا

رہی جو تن میں مری جان اک رمق باقی لگا کہ زخم کہا حیف کارگر نہ لگا

اسی لئے تو میں تجھ سے خفا ہوں اے احسنؔ
گھڑی گھڑی مرے پاؤں کو چشم تر نہ لگا

شب جو دھڑکا مرے دل کا خلل انداز رہا
کام دل لینے میں اس شوخ سے میں باز رہا

شام کی صبح ہوئی بند قبا کھلنے میں
سینکڑوں جان سے جاوینگے جو یہ ناز رہا

لے کے دل بات میں کی خانہ خرابی اس کی
جس کے گھر جا کے تو اے خانہ بر انداز رہا

ٹکڑے اڑ جائیں گے سینہ میں جگر کے احسنؔ
تیرے نالوں کا کوئی دن جو یہ انداز رہا

آشفتہؔ تخلص، نام مرزا رضا قلی حکیم محمد شفیع حکیم کے بیٹے، دلی کے رہنے والے، لکھنؤ میں آن کر رحلت کی اور وہیں دفن ہوئے۔ ان سے ہے۔

یہ جوش غم ہے کہ سینے میں خوں اُبلتا ہے
نہ رکھیو ہاتھ کلیجے پہ میرے جلتا ہے

نہ پوچھو دل کی حقیقت تمہارے عشق میں آہ
اُسے وہ غم جو لگا ہے اسی میں گلتا ہے

یہ ہم کو اس کی جدائی نے اور ایذا دی
کہ رات دن کوئی سینہ میں دل کو ملتا ہے

کسی کے کان کا دُر دیکھا تو نے آشفتہ
کہ اشک آنکھوں سے موتی سا تیرے ڈھلتا ہے

سانس آکر جگر میں اڑتی ہے — شکل جب تیری یاد پڑتی ہے
یاں نہ ہم مارے جائیں کیونکے بھلا — کیا بُری طرح آنکھ لڑتی ہے
پیچ میں لاکے ہم غریبوں کو — زلف کس کس طرح اکڑتی ہے
تجھ کو جانے دوں کیونکے خانہ خراب — دل کی بستی مری اجڑتی ہے
پچھلے مردے اکھیڑ دمت آؤ
نعش آشفتہ آج گڑتی ہے

ایمان تخلص، دکھن میں تھے۔ نام ان کا معلوم نہ ہوا۔ یہ ان سے ہے۔

آرام عشق میں تو مری جاں نہیں ہے شرط
یاں درد دل ہی شرط ہے درماں نہیں ہے شرط
اب گنجفہ میں اس بت شمشیر بند سے
لینا کسی قماش کا تاواں نہیں ہے شرط
پروانہ ساں خموش ہیں جانباز عشق میں
اے عندلیب نالہ و افغاں نہیں ہے شرط

یہ یاد ہی رہے نہ فراموش ہو کبھو
اس تند خو سے باندھنا آساں نہیں ہے شرط

تجھ سے تو اس بہار میں اے پنجۂ جنوں
رہنے کی ایک تار گریباں نہیں ہے شرط

توبہ اگرچہ ہم نے تو کی ہے پر اے مغاں
پیمانہ ہاتھ آوے تو پیماں نہیں ہے شرط

سر عاشقوں کے ہوں عوض گوئے پائمال
اس چال کی تو بازی چوگاں نہیں ہے شرط

کیا مجھ سے ہی نہیں ہے وفا شرط جب کہوں
منہ پھیر کر کہے ہے کہ ہاں ہاں نہیں ہے شرط

شہ تیری صفت کیوں نہ ہو سرسبز ماہ رخ
اس کشت کو ترشح باراں نہیں ہے شرط

دل لے کے جان پر جو لگایا ہے تو نے داو
یہ مجھ سے تجھ سے پہلے ہی جاناں نہیں ہے شرط

ایمان رزم عشق میں ہیں دلفگاریاں
سینہ پہ یاں تو زخم نمایاں نہیں ہے شرط

کون دل سوختہ یا دیدۂ نم ہے تہ خاک — سوت پانی کی جو ہر ایک قدم ہے تہ خاک

ظاہراً رنج و غم و حادثہ کم ہے تہ خاک — جو ترقی پہ سدا ملک عدم ہے تہ خاک

سیر گلزار کی زنہار نہیں مجھ کو ہوا — جب تلک اے بزم نشیں تو دل نم ہے تہ خاک

جان دی قامت دلدار کے غم میں جس نے — عیش اسے عالم بالا سے بہم ہے تہ خاک

ابر قسے جو رپہ کب چشم وہ کرتا ہے سیاہ — دھیان میں جس کے تری تیغ کا خم ہے تہ خاک

ہے پس مرگ تری حسرت دیدار جسے — نالہ ہر ایک اسے تیغ دو دم ہے تہ خاک

مجھ سے کل گور غریباں میں کہا عقل نے یوں — اور کچھ یاں نہ سوا حسرت و غم ہے تہ خاک

پھر تو دو تین مزاروں کو دکھا کر یہ کہا — یہ فریدوں یہ سیاوش یہ جم ہے تہ خاک

دیکھ تو ان کا اب انجام بچشم عبرت — اب کہاں دولت و اقبال و حشم ہے تہ خاک

دولت عشق سے ایماں ہمیں بعد فنا
دل پر داغ ہی اک گنج درم ہے تہ خاک

گر نہ اٹکی ہو تری زلف کی زنجیر میں جاں — آہ جاتی نہ رہے اک نالہ شبگیر میں جاں

آب حیواں سے بجھا ہے مگر اس کا پیکاں — تازہ پڑتی ہے ترے تیر سے نخچیر میں جاں

وہ جو گستاخ ہیں کیا بات ہے ان کی پیارے — یاں تو جاتی ہے نکل ایک ہی تقصیر میں جاں

اس طرف بھی تو کسی روز کماں ابرو چل — نہ رہی صید حرم کی کہیں تجھ تیر میں جاں

آئے جس دم کہ تو اعجاز مسیحائی پر — بات کہنے میں پڑے قالب تصویر میں جاں

کچھ تو پھونکی ہے مری آہ نے تاثیر میں جاں
اب جو وہ ہنس کے ملاتا ہے نگاہیں ایدھر

شعر ہوتا ہے کب ایمان کسو کے دلچسپ
جب تلک معنیٔ شیریں نہ ہو تحریر میں جاں

فقط نہ بادِ بہار سے اب لگے ہیں گلشن میں پھول ہنسنے
ہر ایک غنچے کی بھی خوشی سے قبا بدن میں کلی ہے چسنے

قسم ہے بلبل یہ فی الحقیقت نہ تنگ عرصہ کیا قفس نے
کہ دامِ صیاد میں پھنسایا یہ سیرِ گلزار کی ہوس نے

نہ تابِ سوزِ فراق ہے یاں نہ طاقت دردِ رنجِ ہجراں
ٹھہر ٹک اے آہ شعلہ افشاں کہ اب کلیجہ لگا جھلس نے

رہا ہوں میں دور کارواں سے کدھر بھٹکتا پھرا کہاں سے
کئے بھی نالے ہزار جاں سے ذرا نہ آواز دی جرس نے

نہیں تمہارا نظیر مژگاں نہ ہوں میں کیونکر اسیر مژگاں
ادھر تو دیکھو کہ تیر مژگاں جگہ میں اب تو لگے ہیں دھسنے

اُڑ کے آئے ہیں گو کہ بادل ہوا ہے سرسبز کوہ و جنگل
گئے سب اے ماہ دل کے چھل بل گھٹا دیا ہے جو اس برس نے

کہا یہ جل کے نصیب اپنے کہ ساتھ سووے حبیب اپنے

کبھو جو بیٹھا قریب اپنے تو آ لیا ہے وہیں ہوس نے
وہ طرّہ زلف دراز کا ہے دیا کہ پنجہ ہی باز کا ہے

جو مرغ دل محو ناز کا ہے دیا نہ ٹک بھی اسے اُکسنے
صنم نے جس دم نگار باندھا خرد نے ایماں نے بار باندھا

ادھر بھی آنسو نے تار باندھا ادھر جو بادل لگے برسنے

قدر یا قوت نہیں لخت جگر کے آگے | ابر بھی پانی بھرے دیدۂ تر کے آگے
ہے بنا گوش سے شرمندہ ترے اب گہر | شمع کو تاب نہیں نور سحر کے آگے
شیخ پندار ہی تیرا ہی تجھے مانع ہے | ایک پردہ بھی نہیں اپنی نظر کے آگے
ایک دن دیکھا ہے دہلیز پہ جس نے تجھ کو | اس نے دھونی ہے لگائی ترے در کے آگے
پہنچا اس تک نہ کبھو گو کہ میں احوال اپنا | کہا رو رو کے ہر اک راہ گذر کے آگے
آپ وہ داغ ہے اب شعلہ رخوں کے ہاتھوں | میرے دل کو تھے دیئے جسنے کہ جگر کے آگے
گلبدن حسن سے تیرے جو کرے دعوی شمع | پھینکے وں اس کی زباں وہیں کتر کے آگے
جس نے سر اپنا لگایا ہے ترے قدموں سے | ٹھوکریں کھائے نہ وہ اور بھی سر کے آگے

شمع محفل کو جو ایماں میں دیکھا شب کو
کیا ہی بے نور تھی اس رشک قمر کے آگے

قائم کی غزل کا مخمس

ہم تو واقف ہی نہ تھے عشق کی بیماری سے   اور نہ اس تیرہ شب ہجر کی بیداری سے
کچھ سروکار نہیں تھا کسی دشواری سے   شکوہ اغیار سے نے یار کی بیزاری سے
جو ہوا ہم پہ سو اس دل کی گرفتاری سے

بعد اک عمر جو لایا تھا تجھے چرخ کہن   میرے اس کلبۂ احزاں میں بصد حیلہ و فن
شمع رو لگ گئی پروانہ صفت تجھ سے لگن   وقت رخصت کے مرے اے مرے جی کے دشمن
تھام تھام اپنے رکھا دل کو میں کس خواری سے

ٹک بھی مژگاں نہ جھپک چشم اگر بینا ہے   کہ نظر سے بھی سبک سیر یہاں جینا ہے
ساغر گل سے مے رنگ الگ پینا ہے   ہر قدم کوئے بتاں کا رگ مینا ہے
دیکھیو بچ کے سنبھالے ہوئے ہشیاری سے

مشتری دل سی میں کیونکر نہ ہوں اے زہرہ جبیں   پایہ قدر ترا پہنچا ہے تا عرش بریں
نور سے چہرے کے روشن ہے ترے روئے زمیں   شہرہ تجھ حسن کا گر عالم علوی میں نہیں
مہر و مہ جھانکے ہیں کیوں پردہ زنگاری سے

موسے ہر چند نزاکت میں کمر ہے بہتر   اور بنا گوش سے کب آب گہر ہے بہتر
حسن جانسوز سے پر ترک نظر ہے بہتر   دل یہ کہتا ہوں کہ اس لب سے حذر ہے بہتر
گھر اک عالم کا جلا ہے اسی چنگاری سے

تجھ سے یہ عرض ہے ایمان کی اے خوش باطن | ہے گا رندی کے سزاوار جوانی کا سن
بس زیادہ نہ خرابات کا ہو اب ساکن | واہ قائم نہ تری آنکھ پسیجی اک دن

اب جو روتا ہے سدا خوف سیہ کاری سے

افسوسؔ تخلص، نام میر شیر علی، میر علی مظفر خان کے بیٹے۔ پہلے تھوڑے دنوں میر سوزؔ سے اصلاح لی۔ بعد اس کے شاگرد ہوئے میر حیدر علی حیرانؔ کے۔ نارنول کے رہنے والے۔ کلکتے میں رحلت کی۔ یہ ان سے ہے۔

یہ ملک دل تو جل کے سراسر بہم ہوا | سوز جگر پہ تو نہ ذرا اب بھی کم ہوا
تسکین جی کو کب ہوئی اک دم وصال سے | بلکہ دو چند آگے سے اس دل کو غم ہوا
اے شیخ جا تو کعبہ کو معذور رکھ مجھے | بیت الصنم ہی مجھ کو تو بیت الحرام ہوا

اے دل لگا تو مانگنے اب موت دمبدم
افسوسؔ تجھ کو ہجر کا ایسا الم ہوا

کم نے نہ دیا اک تری آنکھوں کا نظارا | اس تیر نظر نے تو مجھے مفت میں مارا
سب بھول چلے رشک سے بلبل کے اڑے ہوش | جامہ جو ذرا باغ میں اس گل نے اتارا
وہ شب بھی گئی مفت میں اس مہ نے سحر تک | جوڑے کو بنایا کبھی زلفوں کو سنوارا
اس تیرے بناگوش کے موتی کی چمک کے | قربان فلک نے بھی کیا صبح کا تارا

گھبرا کے دوانوں کی طرح دوڑ پڑا میں — اے مہ جو کسی اور کو بھی تو نے پکارا

خوباں کو لگا ناز سے دینے جو تو خلعت — گل نے بھی ترے سامنے دامن کو پسارا

میں نے جو ترے واسطے اپنوں کو بھی چھوڑا — اغیار سے لیکن نہ کیا تو نے کنارا

اس شخص کے باعث ہوئے ہیں سیکڑوں دشمن — صد حیف کہ وہ بھی نہ ہوا دوست ہمارا

اب صاحب عالم کی ثنا میں تو غزل کہہ

افسوس نہ کر شکوہ دلدار خدارا

اے ماہ بتا شب کو تو کس گھر میں نہاں تھا — جو تیرہ مری نظروں میں سارا یہ جہاں تھا

وہ ناز سے تھا جلوہ کناں میں نگراں تھا — واللہ وہ کیا وقت تھا اور کیا وہ سماں تھا

اب کون سی صورت ہے مری زیست کی ہمدم — یوں روٹھ چلا جو کہ مرا مونس جاں تھا

تھا دل کو قلق تیرے نہ آنے سے نہایت — یہ دیر لگی کس لئے اب تک تو کہاں تھا

اب ٹھوکریں کھاتا ہے تری اور نہیں ہلتا — وہ دل جو نظر کردۂ اہل نظراں تھا

سو داغ اگر ہیں تو عجب کیا ہے کہ یہ دل — اک عمر تلک شیفتۂ لالہ رخاں تھا

جس دل کے تئیں دیکھتے ہو دشت سا ویراں — اے دوستو آباد کبھو یہ بھی مکاں تھا

ہمدم تجھے معلوم نہیں ہو تو یہ سن لے — اس واسطے اس کوچے میں کل شور و فغاں تھا

افسوس کے تئیں قتل کرے تھا وہ ستمگر

اک طائفہ غمزدگان گریہ کناں تھا

ہے حماقت اب جو کیجئے جور کا تیرے گلا — ہاں میاں اپنے ہی پیش آیا ہے یہ اپنا کیا
بے مروت بیوفا بے رحم کا عاشق ہوا — کیوں نہ مارا جاؤں میں کاہے کو میں ایسا ہوا
دیدۂ پُر خوں نے تیرے آہ رو رو خونِ دل — ایک دم میں لال سارا دامنِ صحرا کیا
اے بتِ پیماں شکن اب تک نہ آیا تو ادھر — صبح سے تا شام تیری راہ میں دیکھا کیا
ایک دن مجھ سے نہ پوچھا کس لئے روتا ہے تو — غیر کے آنسو سدا دامن سے تو پوچھا کیا

سنگدل خونی ستمگر کی نگاہ گرم پر
دل حوالہ کر دیا افسوس تو نے کیا کیا

جنت سے کہیں بہتر ہے یار ترا کوچہ — چھوڑیں نہ کبھی ہم تو زنہار ترا کوچہ
آیا نہ نظر شاید تو اس لئے میں جا کر — دیکھ آتا ہوں اک دن میں سو بار ترا کوچہ
اس طرح ہمیں پیارے کیا دور اٹھا پھینکا — یوں چھوٹ گیا ہے ہے اکبار ترا کوچہ
اس میں جو کوئی آیا وہ جا نہ سکا ہرگز — کیا پاؤں پکڑتا ہے دلدار ترا کوچہ
طاقت گئی پاؤں کی دشوار ہوا چلنا ق — افسوس نے گھر جانا جب یار ترا کوچہ

تب اس نے مقرر ہے رہنے کو کیا اپنے
جوں نقش قدم آخر ناچار ترا کوچہ

اگرچہ باغ وچمن کی بہار ہے غنچہ — یہ تو نہ ہووے تو نظروں میں خار ہے غنچہ
لگی ہے تیغ نگہ کس کی یہ بتا بلبل — کہ ٹکڑے ہے جگر اے گل فگار ہے غنچہ

جلے ہے اس لئے دل بلبلوں کا اے گلرو
کہ تیرے مکھڑے پہ جیسے نثار ہے غنچہ

ترے لبوں سے جو تشبیہ دیجئے تو غلط
یوں اپنی آن میں رنگیں ہزار ہے غنچہ

ہنسا ہے تو مگر اس کے دہن پہ اے گلرو
کہ منفعل بسر شاخسار ہے غنچہ

ضرور کیا ہے جو گلشن میں جائیں چھوڑ تجھے
ترا ہی منہ ہمیں اے گلعذار ہے غنچہ

تو اس کا بوسہ جو لیتا ہے دمبدم افسوس
کسی دہن کا مگر یادگار ہے غنچہ

شب وصل روز فراق کی مجھے سدھ نہ ایک ذری رہی
مئے عشق کا یہ نشہ چڑھا کہ مدام بے خبری رہی

کوئی کھیت ہو نہ سے جہان میں وے پانی بن نہ ہرا ہو ٹک
مگر اپنی کشت مراد کی وہی آگ سے جو ہری رہی

ہے اگر تجھے طلب ثمر تو کبھی اُدھر کا نہ دھیان کر
وہ شجر ہوں میں ہی جہان میں جسے نت ہی بے ثمری رہی

نہ فقط تری سر راہ پر یہ لگے ہیں آدمیوں کے ٹھٹ
تجھے دیکھا چلتے جو ناز سے تو کھڑی ہی کبک دری رہی

بھویں اپنی ناز سے ٹک چڑھا جو ہیں آن کر وہ کھڑا ہوا
نہ تو حور کر سکی سامنا نہ مقابل اس کے پری رہی

تن زار سے مرے جب تلک دم واپسیں نہ نکل گیا
تری تیغ اے بت جنگجو مرے حلق پر ہی دھری رہی
نہ چھٹا کہیں سے بھی اک ذری اسے دھوتے دھوتے تھکے سبھی
تری تیغ خون فسوس سے جو بھری تھی سو ہی بھری رہی

آخر الامر بے وفائی ہے — تیری دو دن کی آشنائی ہے
کون آتا ہے جی کے لینے کو — پیشوا جان لب تک آئی ہے
روز محشر تلک جو صبح نہ ہو — سو وہ یارو شب جدائی ہے
عشوہ و ناز و غمزہ سب ہیں جمع — مجھ پہ اک فوج کی چڑھائی ہے
جب بلاتا ہوں ہنس کے کہتا ہے — میں نے مہندی ابھی لگائی ہے
دیکھ کر اس کی مستی میں نے کہا ق — واچھڑے کیا دھری جمائی ہے
مسکرا کر کہا تب اس نے یوں
تیری افسوس موت آئی ہے

شب و روز بزم نشاط میں وہ صنم تو مست شراب ہے
مرے دل کی اس کو خبر نہیں کہ یہ سوز غم سے کباب ہے
غم و درد سے ہوں میں نیم جاں مجھے زیست سخت عذاب ہے
مرے قتل میں تو نہ دیر کر بخدا یہ کار ثواب ہے

سخن عاشقوں کا بھی سُن ذرا اُدھر اور ادھر تو کہیں نہ جا
دل غمزدہ کو پھر آ بسا ترے بن یہ ملک خراب ہے

مجھے کیا غرض ہے کہ جاؤں میں کسی میکدے میں برائے مے
تری چشم مست کی اک نگہ مرے واسطے مئے ناب ہے

یہ ہے سوچ جو کبھی آئے وہ تو کہاں بٹھاؤں کہ ان دنوں
مرا دل جو ہے سو وہ خون ہے مری چشم ہے سو وہ آب ہے

ترے بال مشک ختن سے ہیں لب لعل تیرے ہیں غنچہ ساں
ترا جسم گل ہے لبان گل عرق اس کا مثل گلاب ہے

جسے دیکھتے ہی جنون ہو جسے ترک عشق فسون ہو
سو کتاب خانہ دہر میں ترے حسن کی وہ کتاب ہے

کبھو ساعتوں کا شمار ہے کبھو ہے شمار ستارگاں
شب انتظار بتاں خدا مرے حق میں روز حساب ہے

ہیں خموش پاس ادب سے ہوں وہ ہے جیب غرور جمال سے
نہ تو رمز ہے نہ کنایہ ہے نہ سوال ہے نہ جواب ہے

ترے ہجر میں بت دلستاں بخدا کہ اس دل و چشم کو
نہ تو صبر ہے نہ سکون ہے نہ قرار ہیگا نہ خواب ہے
یہ شبیں فراق میں کیوں نہیں کہ فسوس پھیر کرے گا تو
جو مزا ہے آج سو کل نہیں کہ اخیر عہد شباب ہے

انشا تخلص، نام میر انشاء اللہ۔ میر ماشاء اللہ کے بیٹے کہ فن حکمت میں بوعلی سینا۔ اور لکھنو میں تشریف رکھتے ہیں یہ ان سے ہے۔

اگر نہ مجھ سے تو آکر لپٹ گیا ہوتا — تو تجھ سے رات مرا جی ہی ہٹ گیا ہوتا
کھلے ہے خندۂ قلقل تبسم گل دیکھ — ہنسی کے مارے مرا دم الٹ گیا ہوتا
ہزار حیف ملا چاندنی میں ہم سے وہ ماہ — وگرنہ رات کو ڈنڈل اس سے پٹ گیا ہوتا
دل رمیدہ لگاوٹ نے تیری قہر کیا — جفائے یار سے تو کاش ہٹ گیا ہوتا
بہ شدت آپ سے انشا خفا ہوا تھا رات
تم اس کو گر نہ مناتے تو چٹ گیا ہوتا

خیال کیجیے گا آج کام میں نے کیا — جب ان نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا
کہا یہ صبر نے دل سے کہ لو خدا حافظ — حقوق بندگی اپنا تمام میں نے کیا
جنوں پہ آپ کی دولت ہوا حصول مجھے — کہ ننگ و نام کو چھوڑا یہ نام میں نے کیا

لگا یہ کہنے کہ خیر اختلاط کی خوبی   حوالے یار کے خالی جو جام میں نے کیا
جھڑک کے کہنے لگا لگ چلے بہت اب تم   کبھو جو بھول کے ان سے کلام میں نے کیا
کیا زبانی دل کر بیان کہ کہتا تھا   ق صنم کو اپنے غرض اب تو رام میں نے کیا
کہیں نہ مانیو بہتان ہے یہ سب اس پر   ہنسی کے واسطے یہ اہتمام میں نے کیا
تمہارے واسطے ٹک دل میں اپنے غور کرو   کبھی کسی سے نہ ہو سو مدام میں نے کیا
مقیم کعبۂ دل جب ہوا تو زاہد کو   روانہ جانب بیت الحرام میں نے کیا
مزا یہ دیکھئے کہ شیخ جی اُڑ کے اٹھے   جو ان کا بزم میں کل احترام میں نے کیا
عجب طرح کے مزے چاندنی میں دیکھے رات   قرار جا کے جو برپشت بام میں نے کیا

ہوس یہ رہ گئی صاحب نے پر کبھی نہ کہا
کہ آج سے تجھے انشا غلام میں نے کیا

دل کے نالوں سے جگر دکھنے لگا   یاں تلک روئے کہ سر دکھنے لگا
دور تھی از بسکہ راہ انتظار   تھک کے ہر پائے نظر دکھنے لگا
روتے روتے چشم کا ہر گوشہ یاں   تجھ بن اے نور نظر دکھنے لگا
درد یہ ہے ہاتھ گر رکھا ادھر   واں سے تب سر کا ادھر دکھنے لگا

مت کر آہ انشا نہ کر افشائے راز
دل کو دکھنے دے اگر دکھنے لگا

ہاتھ آوے کس کے آپ سے عیّار کا مزاج ہے اندنوں کچھ اور ہی سرکار کا مزاج
فضل خدا سے خیر بہر حال شکر ہے کیا پوچھتے ہو مجھ سے دل افگار کا مزاج
اب خیر و عافیت تو لگا مجھ سے پوچھنے اتنا تو بارے نرم ہوا یار کا مزاج
حضرت سلامت آپ سے میں بولتا نہیں کیا پوچھتے ہو مجھ سے گنہگار کا مزاج
کس طرح دخل پائیے کیا کیجئے کیا نہیں ملتا نہیں ہے ترک ستمگار کا مزاج
چھپ چھپ کے کر نظارہ خبردار اس طرف بگڑے نہ تا کہ قاتل خونخوار کا مزاج

آنکھیں ملا کے انشا تو اس کو نہ دیکھیو
نازک ہے اس کی نرگس بیمار کا مزاج

جو بات تجھ سے چاہے ہے اپنا مزاج آج
قربان تیرے کل پہ نہ ٹال آج آج آج
بھڑکے ہے آگ دل میں پڑی اشتیاق کی
تیرے سوائے کس سے ہو اس کا علاج آج
ہے فوج فوج غمزہ و انداز تیرے ساتھ
اقلیم ناز کا ہے تجھے تخت و تاج آج
تیرا وہ حسن ہے کہ جو ہوتا تو بھیجتا
یوسف زمین مصر سے تجھ کو خراج آج

خوبان روزگار مقلد ہیں تیرے سب
جو چیز تو کرے سو وہ پاوے رواج آج

آب زلال وصل سے اندوہ درد ہجر
پابند کُھل کے ہو ہی گیا مثل راج آج

انشا سے اپنے اور یہ انکار حیف ہے
لایا ہے وہ کبھی نہ کبھی احتیاج آج

لگ جا تو مرے سینہ سے دروازہ کو کر بند — دے کھول قبا اپنی کے بے خوف و خطر بند
افسوس نگہ سے ترے لے ساقی بدست — شیشہ میں نہ ہو مثل پری اپنی نظر بند
ٹکرائے ہوئے پھرتے ہیں ہم کوچہ میں اس کے — کیا کیجئے دروازہ اِدھر بند اُدھر بند
یا شاہ نجف نام اشارے میں ترا لوں — ہو جاوے دم نزع زباں میری اگر بند

آوے وہ اگر یار سفر کردہ تو انشا
میں دوڑ کے کس لطف سے کھلواؤں کمر بند

ہو جاوے اگر جہاں فراموش — کب دل سے ہو دلستاں فراموش
جاتے ہو تو یاد رکھیو مجھ کو — مت کیجیو مہرباں فراموش
صد حیف کیا بچھڑ کے ہم کو — تم نے اے قدرداں فراموش
اس طرح سے بھی دوستوں کو اپنے — کرتے ہیں دوستاں فراموش

سبحان اللہ ہے یہ انصاف ۔۔۔ یاں یاد ہے اور واں فراموش
تو بھولے یہ دخل کیا ہے ہم تو ۔۔۔ کر بیٹھے ہیں خود کو یاں فراموش
ایسا تجھے ہو گیا یکا یک
انشاؔ ، اللہ خاں فراموش

چاہتا ہوں تجھے نبی کی قسم ۔۔۔ حضرت مرتضےٰ علی کی قسم
مجھے غمگین نہ چھوڑ روتا آج ۔۔۔ تجھے اپنی ہنسی خوشی کی قسم
صاف کہہ بیٹھیے جو ہو جی میں ۔۔۔ آپ کو اپنی سادگی کی قسم
میں دلائی قسم تو کہنے لگے ۔۔۔ ہم نہیں مانتے کسی کی قسم
صدقے ہوتا ہوں میں گھڑی مجھ کو ۔۔۔ یاد آتی ہے اس پری کی قسم
ہائے کہہ ڈالنا وہ چپکے سے
تجھے انشاؔ ہمارے جی کی قسم

مل مجھ سے اے پری تجھے قرآن کی قسم ۔۔۔ دیتا ہوں تجھ کو تخت سلیمان کی قسم
کروبیوں کی تجھ کو قسم اور عرش کی ۔۔۔ جبریل کی قسم تجھے رضوان کی قسم
طوبیٰ کی سلسبیل کی کوثر کی جام کی ۔۔۔ حور و قصور و جنت و غلمان کی قسم
روح القدس کی تجھ کو قسم اور مسیح کی ۔۔۔ مریم کے تجھ کو عصمت و امان کی قسم
توریت کی قسم قسم انجیل کی تجھے ۔۔۔ اور اور دین و مذہب و ایمان کی قسم

دامن کو میرے ہاتھ سے اس ارات جھٹک — تجھ کو سحر کے چاک گریبان کی قسم
مدت سے تیرے چاہ زنخدا میں اسیر ہوں — باللہ تجھ کو یوسف کنعان کی قسم
قیدی ہوا ہوں سن بہ خداوندیٔ خدا — اور اس عزیز یوسف زندان کی قسم
موسیٰ کی ہے تجھے قسم اور کوہ طور کی — نور فروغ جلوۂ المان کی قسم
سوگندیں ایسے کی تجھے اب کچھ دلایئے — سن تجھ کو اپنے نازو ادا جان کی قسم
نرگس کی آنکھ کی قسم اور گل کے کان کی — تجھ کو سر عزیز گلستان کی قسم
تجھ کو قسم ہے غنچہ کی خوشہ کی تاک کی — اور شور عندلیب غزل خوان کی قسم
سونے کے کان کی قسم اور رود نیل کی — فرعون کی قسم تجھے ہامان کی قسم
بستر مرا ہے خار مغیلاں لبان قیس — لیلےٰ ہی کی تجھے صف مژگان کی قسم
ایسی بری قسم بھی نہ مانی تو ہے تجھے — مجنوں کے قبلہ گاہ ابوالجان کی قسم
کونے میں باغ کے وہ جو رہتا ہے اک خبیث — تجھ کو اسی کی شوکت اور شان کی قسم
دیو سفید کی قسم اور کوہ قاف کی — باغ ارم کی اور پرستان کی قسم
بونا چماری کی قسم اور سلوبیر کی — کالی بلا کی غول بیابان کی قسم
قسمیں تو ساری ہو چکی باقی رہی ہو اب — پیپل تلے کی بھتنی کی شیطان کی قسم

ہاں پھر تو کہیے ہائے وہ کس طرح ہو غضب
انشا نہ چھیڑ تجھ کو مری جان کی قسم

وہ جو شخص اپنا مقام تاڑ میں سو چھپا ہے دل کی آڑ میں
نہ وہ بستی میں نہ اجاڑ میں نہ وہ جھاڑ میں نہ پہاڑ میں
مجھے کام تجھ سے ہے اے جنوں نہ کہوں کسی کو نہ کچھ سنوں
نہ کسی کی ردو قدح میں ہوں نہ اکھاڑ میں نہ پچھاڑ میں
ارے آہ تونے غضب کیا مرے دل کو مجھ سے توڑ لیا
مرے جی کو بے کے جلا دیا پڑ سے اختلاط یہ بھاڑ میں
مژہ ہی میں پارہ دل لیا یہ مثل ہوئی ہے اب اے خدا
کہ درخت سے جو کہیں گرا تو وہ اٹکا آن کے جھاڑ میں
یہ حیا نے قیس سے آ کہا کہ سنا کچھ اور ہی ماجرا
ترے پاس سے جو چلا گیا تو کھڑا ہے ناقہ اجاڑ میں
کھڑی جھانکتے تھی ابھی وہی نہیں شبہ اس میں تو واقعی
وہ تو عطر فتنہ کی باس تھی سو رچی ہوئی تھی کواڑ میں
کہیں کھڑکیوں کی طرف بندھی مری ٹکٹکی تو یہ لو ابھی
گل نرگس آ کے لگا گئی وہ پری ہر ایک دراڑ میں
مرے دل میں نشہ کا ہے مکاں مجھے سوجھتی ہیں یہ مستیاں
وہ کھجوری چوٹیوں والیاں پڑی پھرتی ہیں مری تاڑ میں

بڑی داڑھیوں پہ نہ جا دلا یہ سب آہلو تی کے ہیں مبتلا
یہ شکار کھیلیں ہیں برملا انہیں ٹٹیوں ہی کی آڑ ہیں

نہ کر اپنی جان کو مضمحل ارے آتشا ان سے لگا نہ دل
تو اگر نہ ہو وے کا منفعل کہیں آگیا جو لتاڑ میں

آظفری تخلص، نام محمد ظہیر الدین۔ میرزا علی بخت خواجہ زادہ عرف میرزا کلاں گورگانی۔ دلی کے رہنے والے۔ مندراج سے کلکتہ میں تشریف لا کر شاہجہان آباد کو معاودت فرمائی۔ یہ ارشاد ان کا ہے۔

چشم تر نے ہنر کیا پیدا | آنسوؤں نے گہر کیا پیدا
صندلی رنگ نے ترے ہم کو | زور ہی درد سر کیا پیدا
نام دریا کا لے نکل جانا | یہ بہانہ مگر کیا پیدا
بارے بتلایئے کہ صاحب نے | اب ٹھکانا کدھر کیا پیدا
کئی دن ہیں کہ یار نے ہم سے | ربط بار دگر کیا پیدا

شکر اللہ آہ نے میری
آظفری کچھ اثر کیا پیدا

اپنا جنون کے ہاتھوں جو چیر پیرہن گیا | دیکھا تو آج ہی سے کفن سایہ بن گیا

ہو وے غریق رحمت حق دل نہ پھر بھرا　　شاید غریب ڈوب بچاہ ذقن گیا
پوشش شہید عشق کو اپنی ہے کھال بس　　یاں جو موا سو ساتھ ہی لیتا کفن گیا
کیوں کیا بہار حسن لٹی فوج خط نکل　　کچھ بھی تمہارا پیش نہ یاں بانکپن گیا

ہے اظفری نہ تیر مژہ ہی سے دل فگار
طعنے سے دشمنوں کے کلیجہ بھی چھن گیا

ہجر میں دل موم ساں گلتا رہا　　شمع ساں اشک آنکھ سے ڈھلتا رہا
کیا کہیں دل کے ملے سے عمر بھر　　جوں مگس میں ہاتھ بھی ملتا رہا
سب شجر ہیں یار در بر نخل دل　　نت ثمر سے آگ کے پھلتا رہا
بیوفا اس دل کی ٹک پھرتی سنوں　　میرے سینہ میں سدا ہلتا رہا
تھا یہ جب تک یار تھا جب وہ گیا　　دو قدم آگے ہی یہ چلتا رہا

اظفری مضموں کسی شاعر کا رات
دل میں کانٹا سا مرے ہلتا رہا

تیری یاری میں کیا مزا دیکھا　　جور و ظلم و ستم جفا دیکھا
ہم سے ہنس کر کبھی نہ بولا تو　　تجھ کو دیکھا جبھی خفا دیکھا
ہم تمہیں سب طرح سے تاڑ چکے　　اے میاں تم کو واہ وا دیکھا
عمر بھر انتظار میں گذری　　تو نے لیکن نہ آنکھ اٹھا دیکھا

حور میں ذکر کیا جو پاویں گے — تجھ میں جو عشوہ و ادا دیکھا
چھٹتے گالی گلوچ ہی دے ہے — جب تجھے ہنس کے اک ذرا دیکھا
ہم نے تو صورتوں تمہاری میں — اے بتو جلوۂ خدا دیکھا
سب میں تبدیلی و تغیری ہے — ذات حق کو ہی ایک سا دیکھا
اظفری نے تو دید میں تیری
کام دل اور مدعا دیکھا

خوں ہو آنکھوں سے دل بہا دیکھا — گاہ مژگاں پہ جم رہا دیکھا
کیا خرابی نہ عشق سے دیکھی — ناصحوں کا جو تھا کہا دیکھا
ہیں سیہ ابر و یا ہلال آج ہے — مہ نو کے تئیں کہا دیکھا
فایدہ بھی کچھ امتحاں سے ہوا — تو نے جو کچھ کہا سہا دیکھا
بزم رنداں میں آ بھلا او شوخ — تیرا سب کچھ یہی رہا دیکھا
الجھا کالی بلا سے کاکل کی — زور اس دل کو یہ بہا دیکھا
زخم دل پھوٹا کوئی کچّا سا — ق — اشک خونی جو یوں بہا دیکھا
رنگ آنسو کا کچھ نیٹ ہے آج — جھہ جھا اور ڈہڑ ہا دیکھا
باغ ہستی میں آ کے بلبل ساں
اظفری ہم بھی چہہ چہا دیکھا

زور شور و زور سے اب کے تو آتی ہے بہار
دیکھیں دیوانوں کے سر کیا رنگ لاتی ہے بہار
ہائے دیوانو خدا حافظ کہ آتی ہے بہار
فتنہ سوتے کے تئیں پھر کر جگاتی ہے بہار
سنگ طفلاں اور تمہارا سر ہے اور بازار ہے
دیکھو کیا کیا سر تمہارے خاک اڑاتی ہے بہار
کشتی نشہ میں اے رنداں شتابی ہو سوار
اب گلوں سے باغ میں طوفاں دکھاتی ہے بہار
یاد جب آتا ہے اپنا گلعذار آنکھوں کے بیچ
گل نہیں گویا کہ کانٹے سے چبھاتی ہے بہار
مصرعہ مظہر ہی پڑھ گریاں ہے تجھ بن اظفری
تو نہیں ساقی تو کس کافر کو بھاتی ہے بہار

ہوا ہے مایل ابرو کماں دل — ہے ان کے تیر مژگاں کا نشاں دل
ہر اک جا آگ ہی میں پھونک دے ہے — ہمیں لے جا کے یہ نامہرباں دل
ذرا چھاتی ہماری چیر دیکھو — پھپھولا رہ گیا ہے گا کہاں دل
رکھو صاحب دلو ٹک دیکھ کر پاؤں — ہے کوچے شوخ میں ہر جا طپاں دل

بہار دیدۂ گلرویاں ہی بھولا   ہوا ہے باغ و سیر گلستاں دل
یہ وحشت کس پری رخسار کی ہے   سمجھتا ہی نہیں کچھ این و آں دل
ہیں بیدل اظفری کچھ حال مت پوچھ
ہمارا ہے گیا ہے دلستاں دل

یار بن زندگی عذاب ہوئی   لذت زیست کیا خراب ہوئی
ناصحو عاشقوں سے مت پوچھو   نہ تمہاری یہاں کتاب ہوئی
اپنی کہتے ہو کچھ سنو میری   یار جی بات بے حساب ہوئی
تیرے حسن و صفا کو جو دیکھا   آرسی اس میں لاجواب ہوئی
روٹھ کر ہم سے مل گیا آپ ہی   سخت مشکل تھی دل شتاب ہوئی
اظفری ہم گناہگاروں کی
کیا دعا جلد مستجاب ہوئی

شکر ہم عشق کے کوچے سے سبکسار چلے   نقد دل ایک جو رکھتے تھے سو یاں ہار چلے
ہمصفیرو مجھے گلزاری سینہ بس ہے   کون اب بہر تماشا سوئے گلزار چلے
جون سی جائے یہ آجائے وفا کا مذکور   یار جی ذکر ہمارا بھی خبردار چلے
دیکھئے آہ اثر کس کی کرے ہے اس پر   ہم تو کر آہ و فغاں اپنا سا ہر بار چلے

کس کے تئیں قتل کیا دست برنگ خوں ہے ‏ ‏ ‏ دیکھ خونخوار نہ اس کوچہ میں تلوار لے چلے

کوئی دن اور ہمیں آظفر بابے تو دیکھ

روز دو چار ہی کو تجھ سے ہو دو چار چلے

اُمید تخلص - نام امید علی - نواب خان جہاں خان کے بیٹے - اب ہوگلی میں تشریف رکھتے ہیں - یہ ان سے ہے -

جس کے فراق سے دل رنج و بلا کو پہنچا ‏ ‏ ‏ یا رب کرم سے اپنے اس دلربا کو پہنچا

سبزہ نمود اس کے شاید ہوا ہے قاصد ‏ ‏ ‏ مضمون خط سے اس کے میں مدعا کو پہنچا

جس کی جدائی ہم کو سو درد اور الم تھی ‏ ‏ ‏ صد شکر وہ مسیحا میری دوا کو پہنچا

سن لے یہ عرض میری تجھ کو صبا قسم ہے ‏ ‏ ‏ یہ مشت خاک میری لے کربلا کو پہنچا

امداد سے علی کی اُمیدوار رہیئے

جس کا کرم کہ ہر اک شاہ و گدا کو پہنچا

ہزار شکر کہ خط صبح یار کا پہنچا ‏ ‏ ‏ اسی کے ہاتھ ہے دار و مدار کا پہنچا

دل شگفتہ کو پیغام یار کا پہنچا ‏ ‏ ‏ گل فسردہ کو مژدہ بہار کا پہنچا

اُگے یقین ہے وہاں سے ہزار لالہ و گل ‏ ‏ ‏ قدم جہاں پہ مرے گل عذار کا پہنچا

تم اس کو رنگ حنا خاص مت شمار کرو ‏ ‏ ‏ ہے قتل عام سے رنگیں نگار کا پہنچا

ہمارے دیکھ کے اس مرغ دل کو اے صیاد　　خیال کیا ترے جی میں شکار کا پہنچا
جہاں کو مست کیا اک نگاہ نے تیری　　ادھر بھی دیکھ کہ عالم خمار کا پہنچا
امید اپنی طبیعت تو باغ باغ ہوئی
پیام جب نہ تب اس گلعذار کا پہنچا

خوبرویوں کو بیوفا دیکھا　　عشق بازی میں یہ مزا دیکھا
جز خدا دو جہاں میں اے یارو　　سچ کہو کوئی آشنا دیکھا
جس کو کہتے ہیں رب جل العلا　　اس کو میں آپ میں ملا دیکھا
دل کو اپنے جو غوض کرتا ہوں　　شعلۂ عشق سے جلا دیکھا
رحم تجھ کو نہ آیا اے قاتل　　خاک و خون میں مجھے ملا دیکھا
ہم نے بے زہد و ورع اے اہلِ نزاع　　دل کے آئینہ میں خدا دیکھا
سارے کرتے ہیں عشق کی تعریف
کیوں رے امید تو نے کیا دیکھا

اے آہ ترا اثر نہ دیکھا　　شام اپنی کا میں سحر نہ دیکھا
شاید کہ مزار پر وہ آتا　　افسوس کہ ہم نے مر نہ دیکھا
دامن کو ترے لہو سے اپنے　　اک دن نہ ہوا کہ تر نہ دیکھا
مانند لبوں کے تیرے ظالم　　قند و عسل و شکر نہ دیکھا

جز تیر و تفنگ و تیغ و خنجر — وہ ہاتھ لئے سپر نہ دیکھا

امید علی سے اب بھی مجھ کو

کچھ نخل جہان میں بر نہ دیکھا

یوں نظر آویں گر ہزار نگار — پر ترے بن نہیں ہے دل کو قرار

دل کے لینے کی بات ہیں دو چار — چاہ ہے لطف ہے کرم ہے پیار

تیری خفگی سے جی نکلتا ہے — سب خفا ہوں پہ تو نہ ہو بیزار

دل تو حاضر ہے سے نہ لے صیاد — کون چھوڑے ہے مفت ایسا شکار

میکدے کو چلے ہو شیخ جی نے — جامہ یا جامہ اپنا اور دستار

سفلہ طورن کے تو پھرے ہے ساتھ — کچھ بھی آتا ہے تجھ کو ان سے عار

ہر قدم میں دل امید ملا

کون سی چال ہے یہ کیا رفتار

دل اپنے سے اب گذر گئے ہم — یا نالہ و چشم تر گئے ہم

کوچہ میں ترے نہ گھر میں اپنے — بتلا تو بھلا کدھر گئے ہم

گہہ سوئے کنشت گاہ کعبہ — تو آیا نظر جدھر گئے ہم

کوچہ میں ترے پیالے سو بار — بے شام سے تا سحر گئے ہم

امید یہ رکھ نظر کرم کی

غصہ سے ترے ڈر گئے ہم

صبح آیا جو وہ با دیدۂ خواب آلودہ کن نے نرگس کو کیا ہے یہ شراب آلودہ

دل مرا عشق سے جل اشک میں ڈوبا ہیہات مے سے جس طرح کہ ہوتا ہے کباب آلودہ

یاں تلک قہر ہے کرم اس کا محیط عاصی جو خطا کرتے ہیں ہوتی ہے ثواب آلودہ

شوخ سے ہم سے صفائی تو ہوئی ہے لیکن چارچشمی میں ہے اب تک بھی حجاب آلودہ

ٹھوکروں سے جو ملتے ہو ہمارے دل کو دیکھو ہووے نہ کہیں خوں سے رکاب آلودہ

پانی ہو جاتی ہے شبنم عرق رخ سے ترے دیکھ رخسار کو تیرے یہ گلاب آلودہ

خوب تحقیق کیا ہم نے جہاں میں اُمیدؔ
کارخانے ہیں یہ دنیا کے سراب آلودہ

خوبیوں کو تری جس دم کہ یہ دل یاد کرے
جان دے تاب نہ ہو نالہ و فریاد کرے

دل نہیں اب جو کریں سیر چمن کی صیاد
ہے عبث تو جو قفس سے ہمیں آزاد کرے

شاخ گل سے بھی جسے طاقت پرواز نہ ہو
قصد کب اس کی گرفتاری کا صیاد کرے

ہائے کیوں ہم کو رکھا بزم طرب سے محروم
نہیں لازم تھا فلک کو جو یہ بیداد کرے

ہووے شاگرد کو جب فضل و بلاغت سے بلوغ
اس کی تعظیم بھلا کیونکے نہ استاد کرے

خانۂ دل کو مرے اپنے قدم رنجہ سے
تم نے آباد کیا حق تمہیں آباد کرے

ہے جو مغموم شب و روز یہ امید افسوس
کس طرح یار سے کوئی اس کو ملا شاد کرے

گرچہ گنہ سے میرا ابھرا بال بال ہے   پر مغفرت کا تجھ سے تیقن کمال ہے
کونین کی نجات کی لے دل یہ فال ہے   ہر حال درد تیرا جو یارب سنبھال ہے
جو ذکر سنتے ہو یہ مساجد میں برملا   خلوت میں راز دل کے یہی قیل قال ہے
زاہد یہ چشم عام سے آنکھیں لڑا نہ تو   بنت العنب کہاں ترے حق میں حلال ہے
بالفرض ہووے نرگس شہلا تمام چشم   ہم چشم تیری چشم سے ہو کیا مجال ہے

مت پوچھ حال بے سر و پائے دل امید
مدت سے کوئے عشق میں وہ پائمال ہے

عشق از بسکہ جی جلاتا ہے   کیوں لے دل یہ تو ہی دکھاتا ہے
بول اٹھا نہ کہ پوچھ آنکھوں سے   میرے تئیں کیا یہ تو ستاتا ہے
دیکھ کر کے قصوران آنکھوں کا   دل تو میرا ابھی تلملاتا ہے

کالا منہ کر تو ایسی آنکھوں کا　　　کیوں کسی سے اسے ملاتا ہے
دوستی ان سیاہ رویوں سے　　　کر کے کیا ہی مزے اٹھاتا ہے
دیکھیے کس طرح تجھے پا لے　　ق　جی میں سو سو طرح یہ آتا ہے
آتشِ ہجر میں ترے ہوں طپاں　　　دیکھیے کب خدا ملاتا ہے

اب ان آنکھوں سے آگے کیا اُمید
دل مرا میرے تئیں ستاتا ہے

معلوم نہیں شیخ کا ایمان کہاں ہے　　　زاہد کی تو تسبیح میں زنار نہاں ہے
اٹھ جاوے جو کہنے سے رقیبوں کے یہ ڈر سے　　　کب اس دل بیتاب کو یہ تاب و تواں ہے
احوال زمانے کا کوئی کیا کرے تقریر　　　ہر اک ہے، ہر اک فکر میں جو پیر و جواں ہے
لب تیرے تو یاقوت کو کرتے ہیں مُخجل　　　باتیں تری اے شوخ گویا قوت رواں ہے
دلداری سے دل لے کے کیا قصد جگر کا　　　سوداگری اس کی نہ کرو جنس گراں ہے
کوئی پوچھے کہ یہ کشتہ بیداد ہے تیرا　　　اتنا تو ذرا کہیو ستمگار کہاں ہے
آنکھوں میں تو سیلاب ہے، باقی ہے مگر دل　　　رہنے کا تمہارے یا یہی ایک مکاں ہے
فی الواقعی جو بات تھی سودا نے کہی ہے　　　آسودگی صرفیست یہاں ہے، نہ وہاں ہے

سن کر کے تتبع کرے اس ہزل کو تیرے
اس عہد میں ایسا کوئی اُمید کہاں ہے

اکبر تخلص۔ نام بھچو۔ شاہ حاتم کے شاگرد۔ رہنے والے دلی کے۔

یہ ان سے ہے۔

ہمارے دل میں خنجر ناز کی کیا کیا نہ کرتے ہیں
یہ کافر خوبرو جس وقت بن کر ٹک اکڑتے ہیں

یہ جیسے خوبرو سرکش ہیں ان کو خوب دیکھا ہے
گئے پہ حسن کے ہر اک کے پھر پاؤں پہ پڑتے ہیں

خدا چاہے سو ہووے اب ہمارے حق میں اے اکبر
صنم سے اپنے ہم بھی آج اک بوسے پہ اڑتے ہیں

بے کے باب میں

بیدار تخلص - نام میر محمد علی - فراق کے شاگرد کہ جن کا نام مرتضیٰ قلی تھا - یہ ان سے ہے -

آکر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے — خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے
خواہی پیالہ خواہ سبو کیجیو کلال — ہم اپنی خاک پہ تجھے مختار کر چلے
عیار کی طرح لئے یار دگر چلے — دل لے چلے ہیں اور خبردار کر چلے
بیٹھے بٹھائے آپ کے کیا جی میں آ گیا — مجھ سے گرفتہ دل کو گرفتار کر چلے
غنچہ کو مسکرا کے دل افگار کر چلے — نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے
کیا اک نگاہ مست سے سرشار کر چلے — مستوں کے بیچ قافلہ سالار کر چلے

ایک ہی ادا میں ختم کیا سارے ناز کو
دونوں جہاں میں فتنہ کو بیدار کر چلے

تنہا نہ دل ہی لشکر غم دیکھ ٹل گیا — اس معرکے میں پائے تحمل بھی چل گیا
گذرے ہے شب شتاب ہو ار و نہ شب اخیر — کچھ بھی خبر ہے قافلہ آگے نکل گیا

قابل مقام کے نہیں بیدار یہ سرائے
منزل ہے دور خواب سے اٹھ دن تو ڈھل گیا

بیمار تخلص - نام ان کا نہ معلوم ہوا کہ کیا تھا - لیکن رہنے والے دلی کے تھے - یہ ان سے ہے -

مرتا ہوں ترے عشق کا سرشار خبر لے — ٹک میرے دل زار کی اے یار خبر لے
اے باد صبا تو ہی ذرا شوخ سے کہنا — مرتا ہے کوئی جا پس دیوار خبر لے
اللہ ہی بچاوے مجھے اس آتش غم سے — یا تو ہی جہر کھا کے مرے یار خبر لے
کیوں یاد بھلائی ہے مری دل ستی اکبار — مرتا ہے ترا طالب دیدار خبر لے
کوچے میں ترے آنے کی طاقت نہیں ہے یار — مرتا ہے پڑا ابر سر بازار خبر لے

یہ حال میرا دیکھ کے کہنے لگا طبیب
بچتا ہے کہیں عشق کا بیمار خبر لے

بیباک تخلص - نام میر نجف علی - کویل میں رہتے تھے - یہ ان سے ہے -

ہم کو لیلیٰ نہ نہار نے مارا گردش روزگار نے مارا

ایک تو آگے ہی تھے سودائی تس پہ جوش بہار نے مارا

صبر کس طرح کیجئے بیباک

اس دل بیقرار نے مارا

بقا تخلص۔ نام بقاء اللہ۔ حافظ لطف کے بیٹے۔ رہنے والے

اکبرآباد کے۔ یہ ان سے ہے۔

رہرواں کہتے ہیں جس کو جرس محمل ہے محنت راہ سے نالاں یہ ہمارا دل ہے

کچھ تعین نہیں اس راہ میں جوں ریگ رواں جس جگہ بیٹھ گئے اپنی وہی منزل ہے

آستین حشر کے دن خون سے تر ہو جس کی یہ یقیں جانیو اس کو کہ مرا قاتل ہے

کھول دو عقدہ کونین بقا کے پل میں

یا علی تم کو ہے آسان اسے مشکل ہے

برق تخلص۔ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد۔ یہ ان سے ہے۔

یوں لاکھ ہوں دنیا میں تو کچھ کام نہیں ہے واللہ کہ تجھ بن مجھے آرام نہیں ہے

ہو وے دل پژمردہ مرا کیونکے شگفتہ ہے باغ میں گل پر وہ گل اندام نہیں ہے

کیا دھوم سے امڈی ہے گھٹا ایسی ہوا میں   افسوس کہ ساقی و مے و جام نہیں ہے

اے برق نہ جی اپنا جلا یاد میں اس کی

کچھ خوب تو اس کام کا انجام نہیں ہے

پروانہ تخلص۔ نام رائے جسونت سنگھ۔ راجہ بینی بہادر کے بیٹے
جو نواب شجاع الدولہ بہادر کے نائب تھے۔ یہ ان سے ہے۔

کھا تیغ نگہ جب ترے گھایل کو غش آیا
گویا وہ دم نزع میں بسمل کو غش آیا

کیا کیجئے ہمدم کہ اسے دیکھ کے ہم تو
ہر چند سنبھالے رہے پر دل کو غش آیا

کرتے تو کیا قتل پہ خون بہتے جو دیکھا
ٹھہرا نہ گیا سامنے قاتل کو غش آیا

تے کے باب میں

تجلّیؔ تخلص - نام میاں حاجی - میر تقی کے بھانجے - یہ ان سے ہے -

طرب کا رنگ رُخِ گل پہ آشکار آیا
کلی سی کھل گئی جو منہیں وہ گلعذار آیا

تڑپ کے جان نکل جاوے گی ابھی صیاد
نہ کہیو باغ میں پھر موسم بہار آیا

ملا میں خاک میں مر مر کے آہ پر تو بھی
نہ بیقراری سے دل کے تئیں قرار آیا

مری وفا پہ تجھے نور رشک تھا اے ظالم
یہ سر پہ تیغ ہی لی اب تو اعتبار آیا

یہ شوق دیکھو پس مرگ بھی تجلّی نے
کفن میں کھول دیں آنکھیں سنا جو یار آیا

تاباںؔ تخلص - نام عبدالحیّ - دلی کے رہنے والے ہم عصر مرزا رفیع کے تھے - یہ ان سے ہے -

کیوں ملا ظالم سے جا دل ہائے دل افسوس دل
کھینچتا ہے کیا جفا دل ہائے دل افسوس دل

جانتا تھا تو نہ وہ ظالم بہت بے رحم ہے
کیوں ہوا ہے مبتلا دل ہائے دل افسوس دل

تو نے عالم کو کیا ہے قتل میرے دیکھتے
تجھ ستم گر سے ملا دل ہائے دل افسوس دل

کس پریرو نے چھوڑا یا دل مرا معلوم نہیں
ڈھونڈھتا ہوں کیا ہوا دل ہائے دل افسوس دل

درد و غم اور محنت و اندوہ میں تنہا مجھے
چھوڑ کر جاتا رہا دل ہائے دل افسوس دل

دیکھ کر اس من ہرن کو مجھ سے دل جاتا رہا
کس طرح سے رم گیا دل ہائے دل افسوس دل

کس سے جا پوچھوں کہاں ڈھونڈھوں نشاں پاتا نہیں
کیا ہوا تاباں مرا دل ہائے دل افسوس دل

سو طرح سے گر کریں گے نالہ و فریاد ہم
اس قفس سے چھٹ نہیں سکتے ہیں اے صیاد ہم

بعد میرے قتل کے پھر لاش کے ٹکڑے کیجے
چاہتے ہیں اس بھی قاتل سے اپنی داد ہم

ہم تو اپنا سر دیئے پھرتے ہیں راہ عشق میں
کب تری تلوار سے ڈرتے ہیں اے جلاد ہم

کھول دے وہ گر رگ جان سے تو سودا سے چھٹے
ڈھونڈھتے ہیں اس طرح اب کوئی فصاد ہم

ہے اسیری کا ہمارے دل میں مدت سے خیال
اس لئے آتے ہیں اس گلشن میں اے صیاد ہم

ہم تو آخر مر گئے رو رو تمہارے ہجر میں
سچ کہو اب ہم کبھی آتے ہیں تم کو یاد ہم

وہ پری رو ہے مرا تا بآں سلیماں وقت کا
کیوں نہ اس کے عشق میں ہوں خانماں برباد ہم

عشق کیا شئے ہے کسی کامل سے پوچھا چاہئے
کس طرح جاتا ہے دل بیدل سے پوچھا چاہئے

کیا تڑپنے میں مزا ہے قتل ہو پیارے کے ہاتھ
اس کی لذت کو کسی بسمل سے پوچھا چاہئے

جس نے اس کا زخم کھایا ہے اسے معلوم ہے
تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہئے

یار کے ملنے کی ہم کو کوئی طرح آتی نہیں   طرح ملنے کی کسی واصل سے پوچھا چاہئے

آہ و نالہ کی حقیقت دیکھتا ہوں ہجر میں
کیا گذرتی ہوگی تاباں دل سے پوچھا چاہئے

تنہا تخلص۔ نام محمد عیسیٰ۔ دلی کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے

مخمس

ان کافروں کو الفت ہے دل سے کیا کسی کے   دیکھیں ہیں رام ہو بت یہ بیوفا کسی سے
دانا ہے تو سخن کو خاطر میں لا کسی کے   مت دل لگا بتوں سے کہنے پہ جا کسی کے
ہرگز ہوئے نہ ہوں گے یہ آشنا کسی کے

نہ تو رہے ہے اکثر اس ہفتہ دوستی میں   تو عمر صرف مت کر اس ہفتہ دوستی میں
کچھ فائدہ ہے دلبر اس ہفتہ دوستی میں   خوبی ہے کیا ستمگر اس ہفتہ دوستی میں
اپنا کسی کو کیجئے ہو رہئے یا کسی کے

ہم اور دیدہ و دل گھر اپنے ہیں سبھی تو   آتا نہیں ہے اس جا اندھیر ہے یہی تو
کر مہر ہم پہ اے مہ جیتے ہیں ہم ابھی تو   یہ غم کدہ ہمارا روشن ہووے کبھی تو
بیگانہ تو کسی کے نا آشنا کسی کے

کب ہوشے ضبط اگر یہ رہتا ہوا ہے سچ ہے   قطرہ کا رفتہ رفتہ دریا ہوا ہے سچ ہے

اس بات کا ہر اک جا چرچا ہوا ہے سچ ہے   آخر یہ عشق یہاں افشا ہوا ہے سچ ہے
چھپتی نہیں چھپائے مہر و وفا کسی کے

ٹھہری ہے آج کل یاں اب ظاہری محبت   منہ پر ہیں صفا دل میں رکھتے ہیں پر عداوت
اس شیشہ کی طرح دیکھیں ہیں جس میں ساعت   دیکھا جو غور کر کے دنیا میں جز کدورت
ہرگز نہیں رہے ہے باہم صفا کسی کے

دنیا میں اس محبت جن سے عبث ہے رکھنی   سو خوبرو ہیں الفت تن سے عبث ہے رکھنی
اب سچ کہو توقع کن سے عبث ہے رکھنی   امید دوستی کی ان سے عبث ہے رکھنی
یہ آشنا ہوئے ہیں کب بیوفا کسی کے

وضعیں جو ابتر ان کی آگے سے ہوتیں ظاہر   باریاں سرا سر ان کی آگے سے ہوتیں ظاہر
باتیں یہ ہم پر ان کی آگے سے ہوتیں ظاہر   بے مہریاں گران کی آگے سے ہوتیں ظاہر
تو ہمنشیں نہ ہوتے ہم مبتلا کسی کے

وارستہ ہو کے بیٹھے تب اپنی خواریوں سے   یا دیں فراغ اتنا ان آہ و زاریوں سے
ہیں مخمصے میں اپنی ہم پاسداریوں سے   چھٹ جائیں ایک بار ہی ان بیقراریوں سے
بہتر ہے یہ جاں اگر ہم کر دیں فدا کسی کے

کہتا تھا تو جو تنہا آخر وہی ہوا ہائے   نکلے نہ اس کے آنسو رو دیا نہ وہ ذرا ہائے

اس کا تو کیا تھا پر کھویا میں اپنا بھی ہائے   فرقت میں اس کی رو رو کے تو جی کو جی گیا ہائے

اس لاابالی کو غم مرنے سے کیا کسی کے

تسلی تخلص، نام ٹیکا رام۔ نواب آصف الدولہ مرحوم کے بخشی کے بیٹے۔ یہ ان سے ہے۔

گذر چمن میں اگر وقت صبح تو نہ کرے   نسیم پاس بجا گل کے اس کو بو نہ کرے

کوئی بشر نہ زمانے میں ہوئے گا ایسا   کہ جس کے دل میں جگر تیری آرزو نہ کرے

کوئی اڑنے سے باز آئے ہے صبا اس کے   ہماری خاک کو جب تک کہ کو بکو نہ کرے

جہاں میں روز تسلی کا کون پوچھے حال

جو اس کے حال پہ اے یار و رحم تو نہ کرے

ث کے باب میں

ثنا تخلص، عظیم آباد کے رہنے والے تھے ۔ یہ ان سے ہے ۔

شب فرقت میں تیرے نالہ و زاری ہے اور میں ہوں
جھپکتی ایک پل نہیں آنکھ بیداری ہے اور میں ہوں
چمن ہے خندۂ گل ہے مے و مینا ہے اور تو ہے
فغاں ہے نالہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں

ثاقب تخلص، نام اصالت خاں ۔ مرزا محمد علی فدوی کے شاگرد تھے ۔ یہ ان سے ہے ۔

ید بیضا سے ماہ کو باہم　　اس کے وقت سلام میں دیکھا
مسکرانے میں تیرے اے ظالم　　کیا بیاں کیجئے کہ کیا دیکھا

جیم کے باب میں

جہاندار تخلص، نام گرامی جہاندار شاہ۔ زینت دولت مسند جہانبانی خلف شاہ عالم بادشاہ جنت آرام گاہ ابن عالمگیر ثانی - یہ تصنیف خاص ہے،

نہ پوچھو دہر میں کیا کر چلے ہم　　اسی کے آرزو میں مر چلے ہم

رہے در پر بتاں کے ہم جہاندار
بسان شمع رو رو کر چلے ہم

کون سی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی　　پر جفا جو یہ تری نت کی لڑائی نہ گئی

قصد ہر چند کیا سیکھنے کا بلبل نے　　وضع نالے کی مرے اس سے اڑائی نہ گئی

دل سوزاں کی جہاندار تری تا بفلک
کون سی آہ تھی جو مشل ہوائی نہ گئی

جوان تخلص، نام میرزا کاظم علی۔ دلی کے رہنے والے۔ کلکتہ میں تشریف رکھتے ہیں اور اس فقیر کو بھی ان کی خدمت عالی میں نہایت بندگی ہے۔ یہ ان سے ہے۔

دیکھ داغ عشق دل میں فکر نے دیوان کیا
ہم نے وہ خورشید تاباں مطلع دیوان کیا

سوز ہے سینہ میں اس کا جس نے ابراہیم پہ
آتش نمرود لالہ اور نافرماں کیا

کشتہ اس کی تیغ کا ہوں جس پر اسمٰعیل نے
جان کر عید آپ کو کس شوق سے قرباں کیا

گرمئ بازار حسن اس کی مہ کنعاں نے دیکھ
سود سودا جان کر بیچا نہ نقد جاں کیا

کوئی بیخود کوئی دیوانہ کوئی مجذوب ہے
عشق نے اس کے یہ رنگ عالم امکاں کیا

ہے عیاں ہر شے میں تو حیرت ہے اے برق نگاہ
متصل جلوے دکھا کیوں آپ کو پنہاں کیا

خون بہا دل کا مرے اس چشم گوہر بار نے
پنجۂ مژگاں کو رشک پنجۂ مرجاں کیا

وجہ حیرانی کہوں میں تجھ سے کیا اے عکس یار
میرے اس آئینہ دل نے مجھے حیراں کیا

شیخ اپنی پاک دامانی کو تہ کر رکھ مجھے
ساقی دوراں نے مست بادۂ عرفاں کیا

جا خدا کو مان ہر دم بحث کر تو ہو نہ پی
مشرب اپنا بادہ خواری کا تو نے ہاں کیا

اے جواں تو عندلیب گلشن توحید ہے
کیوں برنگ گل گریباں چاک تا داماں کیا

جب دھیان تری حمد کے آتا ہے رقم کا
سر دیکھوں ہوں زانوئے تفکر پہ قلم کا

آوارہ تری راہ طلب میں جو ہوئے ہیں
پایا نہ فلک نے بھی نشاں ان کے قدم کا

بیٹھے ہیں درِ دل پہ ہم اے برہمن و شیخ
نے دیر کا ہے عزم ارادہ نہ حرم کا

خورشید قیامت سے بھی آنکھ اس کی نہ جھپکے
جس دل میں کہ پرتو ہو ترے مہر و کرم کا

وابستہ نہ کر دل کو تعلق سے جہاں کے
وقفہ ہے جواں صرف یہاں ایک ہی دم کا

عتاب اس تند خو نے خط میں جس دلگیر پر لکھا
تو حرف قتل پہلے مجھ سے بے تقصیر پر لکھا

غضب لایا میں اپنے ہاتھوں آپ ہی جان پر اپنی
جو حال زار اسے اس آہ بے تاثیر پر لکھا

کروں کیا ہو گیا مجبور دل کی بیقراری سے
نہ تھا ہر چند کچھ لکھنا بلا تاخیر پر لکھا

لکھا جب کاتب قدرت نے اس کا مجھ کو دیوانہ
تبھی سے نام میرا حلقۂ زنجیر پر لکھا

جدا کر سر کو اے قاتل کہ میں نے قتل کو اپنے
خط جوہر سے دیکھا ہے تری شمشیر پر لکھا

مصور نے مرا تیرا جو نقشہ ایک جا کھینچا
تو نام لیلی و مجنوں بہم تصویر پر لکھا

مسیں آغاز خط میں یوں نمایاں اس کے ہیں منہ پر
کہ ہو جوں حاشیہ قرآن کی تفسیر پر لکھا

جہاں ہے وہ خراب آباد جس میں خطرہ جاں ہے
یہ لکھا جس کسی نے اس کی کچھ تعمیر پر لکھا

جو آں نے کیا لکھا یا بو تراب اس پر میں حیراں ہوں
غبار در ترا بہتر اگر اکسیر پر لکھا

کیا غضب رکھتی ہے اے ظالم تری شمشیر آب
ہے مزا جس کا نہ مانگے تشنہ لب نخچیر آب

سرد مہری اس کی کس کس رنگ سے دیتی ہے لطف
حکم آتش قہر اس کا اور مری تقریر آب

خانۂ دل کی بنا بر پا بھلا کیونکر رہے
جب کہ ہو اے چشم تر غارت گر تعمیر آب

اس کے پتھر دل میں کچھ تاثیر کرتا ہے نہیں
سنگ و آہن کو کرے گو نالۂ شب گیر آب

قطرۂ نیساں ترسے ہے صدف اے ابر تر
بند کیوں تو نے کیا ہے اس پہ بے تقصیر آب

ساقی کوثر جو آں کو جام کوثر دیجیو
مانگے جب تجھ سے بروز تشنہ شبیر آب

مت ذرا دکھلا کے اے صیاد تو تیر و قفس
ہے یہ دل اور سینۂ صد چاک زنجیر و قفس

زلف و کاکل کے نظر آئے ہیں جب سے پیچ و خم
پھرتی ہے آنکھوں میں تب سے شکل زنجیر و قفس

بال و پر توڑے ہے گاہے گاہ گر تا ہے اسیر
طائر دل اندر یہ لے صیاد تعزیر و قفس

ہے کشاکش صید گر میں اس کی ہر دم اندر بند
گر فرشتہ عرش سے آوے بہ تشہیر و قفس

گھاتیں صیادی کی زاہد تجھ میں مضمر ہیں تمام
ہے تری زہد ریائی دام تدبیر و قفس

دے اسیری میں کوئی مرغان گلشن کو پیام
توڑ ڈالو شور و غل کر کر کے دلگیر و قفس

مہر جن و انس و وحش و طیر ہر دم یاد ہے
اس کو یا رب معجزہ افسون و تسخیر و قفس

طوطیٔ شیریں بیاں جس کی زباں ہے وہ بدوق
باندھتا ہے کس مزے سے شکر وشیر و قفس
کیا کہوں اور کیونکے بھیجوں ہمصفیروں تک جواں
بند کی صیّاد نے یہ راہ تقریر و قفس

یونہیں آرسی ترے سامنے جو تمام روز دھری رہی
تجھے عکس اپنے سے دیکھیو کہ نہ تاب اس میں ذری رہی
تری مہندی ہاتھوں کی دیکھ کر اور انھوں میں سبز وہ چوڑیاں
نہ گلوں میں سرخی ذری رہی نہ انہوں کی شاخ ہری رہی
نہیں تجھ سا کوئی صبوحی کش ترے واسطے ہی جہان میں
وہ سحر ہوئی ہی کہ مہر کو نہ تلاش جام ذری رہی
ترے حسن و خوبی پہ کر نظر ترے رنگ و روپ کو دیکھ کر
نہ کسی کی گلبدنی رہی نہ کسی میں سیمبری رہی
میں ہدف ہوں ناوک غمزہ کا کہوں دل کی اور جگر کی کیا
ادھر اس میں بھال گڑی رہی اُدھر اس سے پار سری رہی
میں وہ وحشی ہوں کہ مرے لئے شب و روز پتھروں سے ہر طرف
نہ وہ طفل ہے ترے کوچہ کا کہ نہ جھولی جس کی بھری رہی

تجھے گو کہ ناصح مہرباں رہا دو ختت کا ہی خیال لیک
کہوں کیا میں یہ کہ برنگ گل مجھے فکر جیب دری رہی

جو بڑھایا ہاتھ میں رات کو تو کہا یہ ہنس کے کہ خوش ہو تو
مری چھاتی پر رکھے ہاتھ جو کسے ایسی بے جگری رہی

کوئی اور بھی غزل ایسی ہی ہیں کہہ کے اب تو سنا جواں
تری فکر دقت شعر سے اب اگر یہ صاف بری رہی

چمن وصال صد آرزو کہ بہار جس میں بھری رہی
جو خزاں ہجر کی لو چلی تو نہ رونق اس کی ذری رہی

ہوا مہر دیکھ اُسے ماہ سا ہوا ماہ جیسے کہ ہو سُہا
وہ تجلی اس کی نظر پڑی یہی اس میں جلوہ گری رہی

جو نقاب چہرے سے دے اٹھا وہیں غش میں عالم اک آگیا
نہ تو حور لا سکی تاب کچھ نہ تو ہوش ہی میں پری رہی

وہ مجھی میں تھا اُسے ڈھونڈھتا میں عبث عبث ہی پھرا کیا
کہوں غفلت اپنی کو آہ کیا مجھے کیوں یہ بیخبری رہی

تپ ہجر نے مرے دل کا خوں یہ جلا دیا کہ میں خشک ہوں
جو امید وصل ہے دل میں کچھ تو جگر میں اتنی تری رہی

گذر ایک بار ی کیا نہ آ رہے منتظر سبھی چشم وا
تری رہ گذر میں ہزار جا لگی شام تک گذری رہی

وہ جناب عالی ہے عشق کی کہ شہان دہر کی جس جگہ
نہ سریر کی رہی قدر کچھ نہ شکوہ تاجوری رہی

تری دیکھ مہندی کو ہاتھوں کی اور ہاتھوں میں سبز چوڑیاں
نہ گلوں میں سرخی ذری رہی نہ انھوں کی شاخ ہری رہی

میں ہدف ہوں ناوک غمزہ کا کہوں دل کی اور جگر کی کیا
ادھر اس میں بھال گڑی رہی ادھر اس سے پار سری رہی

وہ جو صبر کی تھی سل لے جو آں کہوں کیا میں اس کی محبت آہ
پس مرگ لوح مزار سے مری چھاتی پہ ہی دھری رہی

چشم ہر چند میں نے تر کر دی | مے نہ ساقی نے جام بھر کر دی
آج کل سے لیے شفا پایا | این چہ لیے آہ بے اثر کر دی
دیکھئے کیا ہو آج چہرے سے | زلف اس نے اِدھر اُدھر کر دی
تری تیغ نگہ کے آگے جان | ہم نے کس شوق سے سپر کر دی
صف مژگاں نے دل کی جمعیت | ایک پل میں تتر بتر کر دی
ناز و غمزہ کی فوج نے اُس کے | یہ مہم کیا ہی خلب سر کر دی

چشم نے کھو دی آبرو جب سے آنسوؤں کی لڑی گہر کر دی
تو نے بہر سفر کسی جو کمر ہم نے بھی جان ہم سفر کر دی
جان پر آبنے گی واں مت جا دل تجھے ہم نے یہ خبر کر دی
آگے تو جان مان یا مت مان بات یہ گوش زد مگر کر دی
شام سے چشم منتظر نے جواںؔ
جاگتے جاگتے سحر کر دی

آئینہ رویوں سے جو ہمیں ارتباط ہے منظور اور کچھ نہیں صاف اختلاط ہے
یاں سوزش ہے گداز ہے حسرت ہے درد و غم واں عیش ہے سرور ہے حسن و نشاط ہے
تنہا پڑے ہیں کلبہ احزان میں ہم تو آہ تم ہمنشیں ہو جس کے اسے انبساط ہے
جانا نہ مرے شیشہ دل کو شکست دے کہتے تھے تم کہ ہم کو بہت احتیاط ہے
رکھو قدم تو چشم کروں فرش راہ میں مجھ خاکسار کی تو یہی کچھ بساط ہے
بے اختیار سینہ میں سوزش کرے ہے دل ہر چند آہ و نالہ کا اب انضباط ہے
سرگشتہ ہے جواںؔ تری فرقت میں اں جہاں
منزل ہے نے مقام نہ قصر و رباط ہے

کریں ہم کیوں آتش نالہ شبگیر سے پانی وہ پتھر دل نہ ہوا اس کا کسی تدبیر سے پانی
شہادت خضر کو ہوتی اگر تقدیر سے پانی قضا اس کو پلا دیتی تری شمشیر سے پانی

حنائی ہاتھوں کی تیری چھٹی گر مچھلیاں دیکھے ‏ بہے مانند دریا چشمۂ تصویر سے پانی
ہوائے خلد سے اے بخت بد آتش نہاں بس سے ‏ جہاں آب بقا سے خاک ہو اکسیر سے پانی
مرا یہ سینہ و دل اور جگر کیوں کر نہ چھن جاوے ‏ جو پتھر خاک تودہ ہو وہ کرہ دے تیر سے پانی
ہوا ہے خاک کا پیوند یارب کون دیوانہ ‏ جو یوں ہے موج زن اب حلقۂ زنجیر سے پانی
یہ سیل اشک دربے پے خانہ دل کی ہے غارت کے ‏ نہیں دور ایک دم رہتا ہے اس تعمیر سے پانی
جو اس مطرب بچہ کی یاد میں نالہ کروں اک دم ‏ تو نکلے بم سے گل ہے آگ کا ہے زیر سے پانی

جو آں شیر و شکر سارے ہے دیں وہ کب ہیں اس سے
جدا پانی کریں جو شیر سے اور شیر سے پانی

جعفر تخلص، میر جعفر نام. دلی کے رہنے والے - یہ ان سے ہے -

ایک دن میر رشتہ الفت کے ساتھ ‏ دل مرا پہنچا چکئی ہو اس کے ہاتھ
تب تو میں پوچھا کہ بس یہ کیا ہوا ‏ اس قدر پھرنے لگا رسوا ہوا
رو دیا تب تو چکئی نے زار زار ‏ بولی کچھ میرا نہیں ہے اختیار

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

دمبدم ہائے مجھی سے وہ صنم رکتا ہے ‏ جس کے ٹک رکنے سے ہر دم مرا دم رکتا ہے

رعشہ داد است بچشم اشک پراز حسرت دل
جو میں خط اس کو لکھوں ہوں تو قلم رکتا ہے

چپکے رہتا ہوں ذرا ہائے تو دم رکتا ہے
نالہ کرتا ہوں تو مجھ سے وہ صنم رکتا ہے

رک گئے واسطے تیرے تو یہاں خلق سبھی
تو بھی اب مجھ سے میاں ہائے ستم رکتا ہے

چشم بد دور وہ عالم کا ہے آئینہ جام
جس کے تئیں دیکھ کے اسکندر و جم رکتا ہے

جعفر اب ہائے کرے کیا کہ بقول سودا
اشک امڈا ہوا پھر ضبط سے کم رکتا ہے

جرأت تخلص، نام یحییٰ امان قلندر بخش ابن حافظ امان۔ میر جعفر علی حسرت کے شاگرد ہیں۔ اور طبع موزون رکھتے ہیں۔ یہ ان سے ہے۔

کوئی دنیا میں ظالم کیا نہ ہوگا
پر اے بیداد گر تجھ سا نہ ہوگا

ترا دل سنگدل دیکھا میں جیسا
کسی کافر کا دل ایسا نہ ہوگا

کرے گا گر زیادہ مجھ کو بیتاب
تو اس میں اندر تو رسوا نہ ہوگا

ہوا جب بات کرنا ترک بالکل
تو اس رونے کا کیا چرچا نہ ہوگا

بہا یا جب مری آنکھوں سے دریا
تو اس رونے کا کیا رونا نہ ہوگا

ہوئی جب بیقراری حد سے افزوں
اثر کیا تجھ کو تھوڑا سا نہ ہوگا

بھلا میں مر گیا کھینچ اک دم سرد
تو اس مرنے کا کیا شہرا نہ ہوگا

مرے جب بیٹھتے ہی اٹھ چلا تو — تو کیا بیتاب دل میرا نہ ہوگا
قیامت آگئی جب مجھ کو اک بار — تو اور اک حشر کیا برپا نہ ہوگا
بس اب بہتر ہے مجھ وحشی سے مل جا — نہیں تیرا بھی دل دیوانہ ہوگا

نہ کھو جرأت کو اپنے ہاتھ سے جان
کہ ایسا شخص پھر پیدا نہ ہوگا

اُسے چھوڑ کر تو اگر جائے گا — یہ دل مفت میں یار مر جائے گا
مری نعش پہ اس کو مت لائیو — عزیزو وہ ہے طفل ڈر جائے گا
خدا جانے اے دوستو دل مرا — چلا ہے کہاں اور کدھر جائے گا
جو اب خوش ہے یہ دل تو کوئی دم کو آہ — ترے در سے باچشم تر جائے گا
نہ کر گرم جوشی تو اب اس قدر — دلا اس کے دل سے اتر جائے گا
نہ گھبرا کے اٹھئے سنا مہرباں — کوئی دم کو بندہ بھی گھر جائے گا
نہیں چھوڑتے تجھ کو جوں سایہ ہم — ترے ساتھ ہیں تو جدھر جائے گا
یہ پیغام کہنا مرا یار سے — اگر واں تو اے نامہ بر جائے گا
ترے غم سے اک شخص ہے جاں بلب — وہ بچ جائے گا تو اگر جائے گا
جو مانے تو مانے نہیں تو نہیں — گذرنا ہے جو کچھ گذر جائے گا

یہی درد و غم ہے تو جرأت کا جی
اگر شام نہیں تو سحر جائے گا

ہم کئی دن سے نہیں سنتے فغان عندلیب
کیا مگر اجڑا چمن سے آشیان عندلیب

اے سخن سنجانِ عالم گوش رکھیو ٹک ادھر
نالہ اک موزون رکھتا ہوں لسان عندلیب

کون سا بیداد گر آیا تھا اس گلشن میں آج
مشت پر لے کیا پڑے ہیں آشیان عندلیب

ق

آن پہنچے گی خزاں اور یونہیں جاوے گی بہار
باغباں یہ بھی نہ تھا ہرگز گمان عندلیب

اب کسی عنوان تو آرایش گلزار دیکھ
ورنہ جاوے گی یونہیں برباد جان عندلیب

فصلِ گل میں ہو گئی جا کے گرفتار قفس
کیا کہوں میں تجھ سے اے جرأت بیان عندلیب

یہ حالت جوش وحشت سے ہے ہر رات | کہ بکتے گذری ہے دو دو پہر رات
گذرتی ہے ایام جدائی | تڑپتے شام سے لے تا سحر رات
چلی آتی ہے ناداں صبح پیری | جوانی کی گنوا مت بے خبر رات
سیہ بختی سے مضطر ہے دل زار | کہ آتی ہے بلا بیمار پر رات

سحر آوے گا وہ جاناں ولیکن — کٹے گی کیونکے اے پیغامبر رات
خفا ہو گھر میں کیا کیا کچھ وہ بولا — مری سن کے فغانِ بے اثر رات
جگایا بخت خوابیدہ نے وہیں — جو آیا خواب میں وہ عشوہ گر رات
ترے بیمار پر سب کہتے تھے شب — الٰہی خیر سے جاوے گذر رات
ہوئے کیا کیا در و دیوار نالاں — رہا تجھ سے جدا جو اپنے گھر رات
پھروں ہو جابجا میں بیخودانہ — تجھے میں ڈھونڈھتا رشکِ قمر رات
کہ جیسے بھول کر رستہ کوئی شخص — پھرے ہے مارا مارا در بدر رات

فراق یار میں جیتا ہے جرأت
زبوں شب سے دن اور دن سے بتر رات

نہ جی کو دل کی خبر ہے نہ دل کو جی کی خبر — ترے بغیر کسی کو نہیں کسی کی خبر
جو زندگی مری منظور ہے تو لے ہمدم — خدا واسطے لا دے ٹک اس گلی کی خبر
ہزار رنگ سے ان بلبلیں ہیں اب بیکل — انہیں بھی پہنچی ہے کیا میری بیکلی کی خبر
وہ شکل دیکھتے ہی محو ہو گیا ایسا — نہ اس کو اپنی خبر ہے نہ آرسی کی خبر
کریں غرور بہت ہم بھی اپنی ہستی پر — نہ ہو ہمیں اگر اے زیست نیستی کی خبر
بتوں کے کوچہ میں دل کا گرے خدا حافظ — سنی ہے آج میں بے طرح واں کسی کی خبر

وہی ہے رافضی و خارجی سن اے جرأت نہ ہووے جس کے تئیں رتبہ علی کی خبر

بدل کے قافیہ کہے غزل اک ایسی ادا
جو پہنچے شاعروں تک اپنی شاعری کی خبر

رکھتا ہے جو مرا یہ دل تنگ رنگ ڈھنگ
سو وہ تمام خلق کا ہے ننگ رنگ ڈھنگ

بد خواہی مجھ سے کرتا ہے ہردم تری طرح
سیکھا یہ تجھ سے دل بھی بُرا جنگ رنگ ڈھنگ

جب سے کیا ہے تو نے چمن کی طرف گذار
گل دیکھ کر ہوا ہے عبث دنگ رنگ ڈھنگ

کیا ڈھنگ زہد خشک میں ہے بے شراب شیخ
رکھتا ہے اور بادہ گلرنگ رنگ ڈھنگ

دل صاف تھا تو خوف نہ تھا دیکھئے ہمیں
اب کیا دکھاوے دل کا مرے زنگ رنگ ڈھنگ

جو رنگ معنی شعر میں جرأت کے ہیں سو یہ
پاوے نہ کوئی سیکڑوں فرسنگ رنگ ڈھنگ

غافل نہ رہیو اس سے تو اے یار آج کل مرتا ہے تیرے عشق کا بیمار آج کل

کیا جانئے کیا کرے گا وہ بیمار آج کل
رکھتا بہت ہے ہاتھ میں تلوار آج کل

جب ہے سو آہ عشق کا بیمار ہے دِلا
پھیلا ہے بے طرح سے یہ آزار آج کل

اس دوست کے لئے ترے دشمن ہیں سیکڑوں
اے دل ٹک ایک پھر تو خبردار آج کل

ناکارہ ہماں مجھ کو نہ کر دور باغباں
لاوے گا یہ شجر بھی میاں بار آج کل

ایسا ہجوم خلق تو خالی نہ جائے گا
گرتے ہیں اس کے کوچہ میں دو چار آج کل

یوسف کسی زمانے میں تھا خوبرو ولے
تجھ سا نظر پڑے نہ طرحدار آج کل

ہم مفلسوں سے کیا کوئی دل کھول کر ملے
سب کے تئیں عزیز ہے زردار آج کل

کون اٹھ گیا ہے پاس سے کیا ہو گیا ہے جو
تڑپے نہیں ہے تیرا دل زار آج کل

وعدہ خلاف آکے ملے گا کبھی پھر کبھی
کب تک سنا کریں تری ہر بار آج کل

کیا ذکر ماہ و سال کا بہ جائے دل جگر
رونے سے تیرے دیدۂ خونبار آج کل

افسوس ہے کہ ہم تو تڑپتے ہیں دام میں
اور کھل رہا ہے کیا گل و گلزار آج کل

آنکھوں میں اشک جاں بلب و سینہ چاک ہے
جرأت کہیں ہوا ہے گرفتار آج کل

دل جگر جان غم عشق سے کھو بیٹھے ہم
بیکسی دیکھیو کس طرح سے ہو بیٹھے ہم

رو رو نا آلبیٹھے کہیں رونے پہ اپنے یارو
یاں تلک روئے کہ آنکھوں کو بھی رو بیٹھے ہم

جس طرح نقش قدم بیٹھ کے پھر اٹھ نہ سکے
تیرے کوچہ ہی کے اب ہو رہے جو بیٹھے ہم

نہ ملا عشق کے دریا کا کہیں تھل بیڑا — پہلے ہی موج میں گھر بار ڈبو بیٹھے ہم
دوڑ دوڑ آنا ہمارا تمہیں بد لگتا تھا — اب نہ آویں گے میاں خوش رہو لو بیٹھے ہم
جب تلک دل نہ دیا تھا پھرا کرتے تھے خوش — ہائے دل دیتے ہی بس غمزدہ ہو بیٹھے ہم
جرأت اب اور غزل کیجئے تازی انشا
اشک سے پچھلے تو اشعار کو دھو بیٹھے ہیں

کوچۂ یار میں جو ہووے سو ہو بیٹھے ہم — بد کہو دوستو یا نیک کہو بیٹھے ہم
اپنا تو قصد یہ ہے یاں سے نہ اٹھئے ہرگز — آگے تم اپنے دو یا اپنے نہ دو بیٹھے ہم
پھر توقع یہ نہیں ہے کہ یہاں آویں گے — ایک دن آگئے تری بزم میں گو بیٹھے ہم
آج جیتے ترے کوچہ سے نہ پھر جاویں گے — مستعد مرنے پہ لے عربدہ جو بیٹھے ہم
کبھی رنجش کبھی غصہ کبھی پیار اور اخلاص — نت نئی دیکھتے ہیں آپ کی خو بیٹھے ہم
دل کو اس یار ستمگر سے لگا کر جرأت
اپنے سب راحت و آرام کو کھو بیٹھے ہم

چشم بد دور یار کی آنکھیں — ہیں قیامت بہار کی آنکھیں
بھر گئیں اس کے انتظار میں آہ — اس دل بیقرار کی آنکھیں
در سے تیرے جدا نہیں ہوتیں — اس ترے خاکسار کی آنکھیں
پردۂ ماہ و خور جو دیکھے ہیں — تجھ کو لیل و نہار کی آنکھیں

مئے کے پینے سے مت کرو اخفا — نہیں چھپتیں خمار کی آنکھیں

اسی کوچہ میں جو گیا کیسا نہیں — میرے مشت غبار کی آنکھیں

نہ مندیں بعد مرگ بھی تیرے — کشتہ انتظار کی آنکھیں

چرخ گردش کو بھول جائے اگر — دیکھے اس شہسوار کی آنکھیں

برچھیاں سی گزر گئیں دل سے — ق — جو ہیں اس نے دو چار کی آنکھیں

کیا کہوں تجھ سے ایسی ہیں جرأت

اس مرے گلعذار کی آنکھیں

چتون کی لگاوٹ عین غضب مژگاں کی جھپک پھر ویسی ہی

دل چھین لے اس کی چین جبیں ابرو کی لچک پھر ویسی ہی

کچھ ماتھے پہ بکھرے بال بلا اور کافر بندش جوڑے کی

مکھڑے پہ شرارت بھری ہوئی نتھنوں کی پھڑک پھر ویسی ہی

وہ چمپئی نازک رنگ اور بھرے بھرے وہ رخسارے

صورت پہ امنگ جوانی کی چہرے پہ دمک پھر ویسی ہی

وہ سرخ ملائم ہونٹھ غضب اور اس پہ وہ مسی کی دھڑی

دانت ان میں موتی کی سی لڑی ہنسنے میں چمک پھر ویسی ہی

اس بُندے کے ہم بن لٹے ہیں وہ بالا سب کو ٹھے بالا
موتی سے ساری مانگ بھری پتے کی چمک پھر ویسی ہی

وہ گردن اس کی صراحی دار اور اس پہ صفائی ہے ظالم
سج دھج میں تمام خوش اسلوبی زیور کی بھڑک پھر ویسی ہی

وہ اُبھری اُبھری سخت کچیں اور پیٹ ملائم مخمل سا
پتلی سی کمر اس کافر کی جنبش میں لچک پھر ویسی ہی

وہ اونچی اونچی گول سریں وہ کافر رانیں بھری بھری
وہ ساق بلوریں ہوش ربا پاؤں کی کفک پھر ویسی ہی

ہر عضو نزاکت بھرا ہوا اور تس پہ بدن سب گدرایا
قامت ہے قیامت سر تا پا چلنے میں لٹک پھر ویسی ہی

ہر آن ہے اس کی آن نئی اور ساتھ ادا کے سب باتیں
ہے ناز و کرشمہ اور عشوہ غمزہ کی کمک پھر ویسی ہی

کہہ بیٹھتا ہے سب پہ پھبتی کوئی جگت سے خالی بات نہیں
پوشاک میں بالکل بانک بنا سوندھی کی مہک پھر ویسی ہی

وہ کافر کرتی جالی کی پاجامہ ہے گاساٹن کا
جوتے پہ ستارے جڑے ہوئے لچھے کی جھلک پھر ویسی ہی
اس وضع پہ جرأت گر اس کا گانا سنئے تو ہے ظالم
اک بھنے سُر کے اڑتے ہیں تانوں کی لٹک پھر ویسی ہی

حے کے باب میں

حسن تخلص، نام میر غلام حسین ضاحک ہرات کے رہنے والے۔ قریب ساٹھ برس کے ہو کر لکھنو میں وفات پائی یہ ان سے ہے۔

مزا ہے استقامت سے مثال شمع مر جانا
جہاں ثابت قدم رکھنا وہاں سر سے گذر جانا

نکل اے جان اب گھر سے کہ صاحب خانہ آتا ہے
ترا تو جی ہے اٹھنے کو نہیں کیا یہ بھی گھر جانا

مزا رکھتا ہے مستی میں بہکنا شوخ کا ہر دم
اِدھر کچھ بات کرتا وہ نہیں پھر اودھر مکر جانا

کوئی دم کے ہیں مہماں اس چمن میں ایک دن آخر
بسان نکہت گل شام جانا یا سحر جانا

نہیں مجلس میں بار اس کی خبر کرنے سے بھی اب تو
کئی دن وہ جو ملتا تھا ہمیں واں بیخبر جانا
تجھے تو ضد رہے کہنے سے مرے میں تو نہیں کہتا
یہ دل کہتا ہے یوں جانا کہ اک دم بیٹھ کر جانا
یہی گر خوف ہے تو زندگی کیونکر حسن ہوگی
کہ جب کچھ بات کہنا رد بروہ اس کے مکر جانا

مجھ کو باور ہی نہ آتا تھا کہ مغرور ہے تو
میں نے دیکھا تجھے اللہ بہت دور ہے تو
تجھ سوا دل میں نہ ٹھہرے ہے نہ آنکھوں میں کبھی
دل کا مرغوب ہے، تو چشم کا منظور ہے تو
تو نے جلوہ نہیں اس شوخ کا دیکھا ناصح
حق بجانب ہے نصیحت تری معذور ہے تو
تو ہے مختار خدا جانے کہ مختار ہوں میں
میں ہوں مجبور خدا جانے کہ مجبور ہے تو
عرض رکھتا ہوں میں خدمت میں اگر کیجئے معاف
گرچہ سچ ہے کہ حسینوں میں بہ از حور ہے تو
پر ترے حسن کو بندے ہی نے چمکایا ہے
اس گنہگار ہی کے نام سے مشہور ہے تو
چھیڑنا تجھ کو حسن عشق کی ہے بات قہر
سر سے تا پا تئیں جوں شیشۂ دل چور ہے تو

بسکہ جوں بدر زمانہ یہ گھٹاتا ہے مجھے
دن بدن اور ہی عالم نظر آتا ہے مجھے
حسن نیرنگیٔ عالم کا عجب رنگ ہے کچھ
عین بیرنگی میں سو رنگ دکھاتا ہے مجھے

اتنا معلوم تو ہوتا ہے کہ جاتا ہوں کہیں
کوئی ہے مجھ میں کہ مجھ سے لئے جاتا ہے مجھے

یاد میں کس کی کروں مجھ کو کہاں ہوش و حواس
اپنے ہی یاد سے یہ عشق بھلاتا ہے مجھے

چھوڑ کر مجھ کو وہ تنہا کوئی جاتا ہے کہیں
یہ بھی اک چھیڑ ہے اس کی کہ کڑھاتا ہے مجھے

مجھ کو کیوں کھینچے لئے جاتی ہے تقصیر مری
عمر تک رہ تو سہی کون بلاتا ہے مجھے

مجھ میں اور دل میں سدا ہے سبق عشق کا درس
میں سناتا ہوں اسے اور وہ سناتا ہے مجھے

طایر رنگ حنا ہوں تو لگوں تیرے ہاتھ
چٹکیوں میں تو عبث یار اڑاتا ہے مجھے

تجھ کو منظور جفا مجھ کو ہے مطلوب وفا
یہ نہ بھاتا ہے تجھے اور وہ نہ بھاتا ہے مجھے

پھر پھر آئینہ میں منہ دیکھنے لگتا ہے حسن
ایک دم آپ میں وہ شوخ جو پاتا ہے مجھے

جو چاہے آپ کو تو اسے کیا نہ چاہیے
انصاف کر تو چاہیئے یہ یا نہ چاہیئے

مجھ سے نے تجھ کو چاہا نہ چاہا عجب نہیں
تجھ سا جو چاہے مجھ کو تو پھر کیا نہ چاہیئے

کس کو سنا کے کہتے ہو میں چاہتا نہیں
اب یوں جی ہم برے ہوئے اچھا نہ چاہیئے

گر پاس تیرے بیٹھوں تو معذور رکھا مجھے
جس جا پہ شمع ہووے تو پروانہ چاہیئے

عیش وصال صحبت یاران فراغ دل
اس ایک جان کے لیئے تجھے کیا کیا نہ چاہیئے

دیتے ہو تم دکھائی نہ ہمراہ غیر کے
اس طرح سے غرض تمہیں دیکھا نہ چاہیئے

اب جیسے ایک حسن سے ہنسے تھے تو ہنس لیئے
پر اس طرح ہر ایک سے ٹھٹھا نہ چاہیئے

واسوخت

ہر ایک بزم میں ہے اس کا ذکر صبح و مسا
ہر ایک ملک میں ہے اس کے حسن کا شہرا
ہر ایک چشم میں ہر حال میں ہے اس کی حیا
ہر ایک ملت و مذہب میں اس کا ہے چرچا
ہر ایک جان کو بلبل صفت ہے اس کی ہوا
اگرچہ اور بھی گل ہیں بہت یہ نام خدا
ندانم آن گل خودرو چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمنے گفتگوے او دارد

میں اک دن اپنے حسین آشنا کے غم میں یار
لبوں پہ جان اور آنکھوں میں اشک دل میں غبار
خفا ہو جی سے چلا طرف گلشن و گلزار
وہاں گیا تو وہاں بھی سنی یہی تکرار

کہ گل ہنسنے ہے ادھر اور ادھر ہے بلبل زار   کہے ہے رو رو کے ہر دم یہی پکار پکار

درین چمن چہ گلے نشنود فغان مرا

کجا است برق کہ بر دارد آشیان مرا

عجب نصیحت بے فائدہ کو تو نہ سنا   کہا نہ مانوں گا تیرا تو میرا مان کہا

ترا تو دل ہے ترے پاس کیا گیا ہے ترا   تو اپنے کام میں رہ میرے کام سے تجھے کیا

میں اپنے سوگ میں بیٹھا ہوں دل سے ہو کے تھکا   عبث تو شور سے بک بک کے میرا مغز نہ کھا

برو بکار خدا اے تو این چہ فریاد است

مرا فتادہ دل از کف ترا چہ افتاد است

کہا تھا اس نے مجھے کل کہ آؤں گا میں کل   ملا جو آج تو کل کا وہی پھر آیا خلل

جو پوچھا میں کہ ترے کل کو بھی کہیں ہے کل   تو ہنس کے کہنے لگا جا عبث نہ کر کل کل

جو کل کا وعدہ کیا ہے سو کل کو کہتا ہوں چل   عزیز اس کا ہے مطلب کہ کر کے لیت و لعل

دہد فریبم و سازد امیدوار مرا

کہ تا بہ حشر نشاند در انتظار مرا

خدا ہی جانے جو اس راز کا کہ ہے محرم   کہ مجھ کو اس کی جفا سے نہیں ہوا ہے غم

اگرچہ اس نے بہت سے کیے ہیں مجھ پہ ستم   پر اس کے جور کو راحت سے میں کیا نہیں غم

دگر ملال بھی گذرا ہے جب کبھی ہمدم — تو آپ ہی سے لڑائی ہوئی ہے تیری قسم

گہے کہ رنجشے اے یار بودہ است مرا

ز خود شکایت بسیار بودہ است مرا

نقاب چہرے سے خورشید جب اٹھاوے ہے — سحر ہر ایک کو ہر کام میں لگاوے ہے

کوئی حرم میں کوئی بتکدہ کو جاوے ہے — کوئی تلاش معیشت میں جی کھپاوے ہے

کہوں ہوں دل کو جو میں تو کدھر کو جاوے ہے — تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ کہہ سناوے ہے

علی الصباح جو مردم بہ کار و بار روند

بلا کشان محبت بہ کوئے یار روند

خبر جو قتل کی میرے ہوئی ہے شہر میں سو — ہوئے ہیں جمع یہاں اک جہاں تماشے کو

یدھر سنوں ہوں یہی ہے صدا چلو دیکھو — غرض کہ حال مرا جائے سیر ہے اب تو

خدا ہی جانے وہ آگاہ اس سے ہو کہ نہ ہو — کوئی یہ میری زبانی ٹک اس کو بھی کہہ دو

بجرم عشق تو ام می کشند غوغا ایست

تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشا ایست

نہ پوچھ ہم سے تو ہمدم ہمارا کچھ احوال — کہ اب تو زیست بھی اپنی ہوئی ہے جی کا وبال

ہر ایک دم ہمیں گذرے ہے ہجر میں مہ و سال — ہزار دل میں لئے حسرت اور جی میں خیال

قفس کے کنج میں مایوس ہو پڑے ہیں نڈھال — کسے کہیں جو کہے اس سے جا کے سب احوال

نہ قاصد ہے نہ صبا ہے نہ مرغ نامہ بر ہے

کسے ز بیکسی ما نمی برد خبرے

سفر کا دل میں نہ رکھ قصد رشک یوسف چور — نہ کر تو شیشۂ دل سنگ تفرقہ سے چور
سرکنے پاس سے میرے نہ جا نگاہ سے دور — رُلا رُلا کے نہ آنکھوں کو میری کر ناسور
تمہے ہی دیکھنے سے ان کے نور کا ہے ظہور — نظر سے تو جو گیا تو کہاں رہا پھر نور

مرو ز دیدہ کہ یادم ز پیر کنعانست

کہ روئے دوست ندیدن بچشم نقصانست

ہمارے نالوں نے پتھر کو آب کر جانا — جہاں کو آہ نے اپنی کیا سیر جانا
فغاں نے لے کے زمیں آسمان تلک چھانا — جو کچھ کہ تھا نہیں مقدر ہم نے پہچانا
نہ ہو جو دل میں اثر تیرے کیا کریں جانا — کیا انہوں نے تو گریہ کہاں کہاں ٹھانا

رسید بر فلک آواز آہ و زاری ما

فلک بہ چرخ در آمد ز بیقراری ما

نہ دیکھا تجھ سا تو نام خدا کوئی بیباک — کہ اک اشارت ابرو سے تو نے لے سفاک
جہاں جہان کو مارا کیا برابر خاک — رہا نہ صیاد ہوا ابھو ہو زینت فتراک

پھر سے ہے غصہ میں تس پر بھی تو جو آتش ناک — ترا ارادہ ہے کیا اب کرے گا کس کو ہلاک

کسے نہ ماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی
مگر تو زندہ کنی خلق را و باز کشی

نہ پوچھ میری حقیقت کہ تیرے ہجر میں یار — نہ پاس ہے کوئی دل سوز اور نہ کوئی غمخوار
ملی ہے میرے تئیں صحبت در و دیوار — پڑا ہوں کنج قفس میں بہ رنگ بلبل زار
گہے ترانہ زباں پر ہے اور گہے اشعار — غرض گذرتا ہے اس طرح میرا لیل و نہار

من و خیال تو شب ہا و کنج خانہ خویش
سرود بیخودی و آہ عاشقانہ خویش

ہزار ڈھب سے میں اس بیوفا کو سمجھایا — ہزار طرح سے احوال اپنا دکھلایا
ہزار فن کئے سو سو طرح سے پرچایا — ہزار باتیں بنائیں یہ کچھ نہ پھل کھایا
کسی ہی طرح سے تشریف وہ نہ یاں لایا — یہ اک خیال مجھے اب یہ ادھر ہے آیا

بہ بستر افتم و مردن کنم فسانۂ خویش
باین بہانہ مگر آورم بخانۂ خویش

ہمیں تو رونے کا اپنے یہی ہے رونا آہ — کہ اس کے ہاتھوں سے ہونے گا اک جہان تباہ
یہی جو شدت گریہ رہے گی شام و پگاہ — رہیں گے یونہیں جو یہ دمبدم فغان اور آہ

ہمیشہ اپنے ہی نالے جو ہو گئے اب جاں کاہ — تو پھر بقول کلیم اس میں شک نہیں واللہ

قرار می برد از خلق آہ و زاری ما

باین قرار اگر ماند بیقراری ما

رہے ہے مجھ کو یہی سوچ صبح سے تا شام — دل حزیں ہے وہ کیوں کیوں نہیں اسے آرام

خوشی سے پھولا سماتا نہیں ہے کیوں یہ مدام — اگرچہ سب ہیں یہ تیرے ہی توڑ جوڑ تمام

مثال آئینہ حیرت کا یاں پڑے گا مقام — مٹا یہ فکر بنا اپنا راز لے خود کام

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندانست

بہ عندلیب چہ فرمودہ کہ نالانست

نہیں ہے قابل تحریر تیرا درد و الم — نہ ہو گا مجھ سا بھی مایوس کوئی کشتہ غم

ملا نہ دشت میں جانا مجھے نہ طرف ارم — نہ آئی بوئے گل اس طرف اور نہ خار ستم

یہ عمر گذری اسی طرح مجھ کو اے ہمدم — میں کیا کروں نہ کروں کر ہمیشہ چشم کو نم

نہ نکہت نہ گل و نہ خراشے از خارے

درین چمن بچہ دل خوش کند گرفتارے

وہ کون ہے کہ نہیں تیرے غم سے خستہ جگر — وہ کون ہے کہ نہیں تیری یاد میں اکثر

ترا تو حسن کا مفتون ہے جہاں یکسر — ترا ہی ذکر ہر اک کو رہے ہے شام و سحر

بھلا بتا تو کہ لے جاؤں اشک کس کس کا　　کہاں تلک میں کروں ضبط زاری اے دلبر

بجاں رسیدہ ام از جور بے نہایت تو
کجا روم ہمہ کس می کنند حکایت تو

کہاں یہ حسرت و اندوہ اور یہ رنج کہاں　　کہاں یہ آہ یہ نالے یہ نوحہ و افغاں
کہاں یہ داغ یہ ناسور و آتش سوزاں　　تری جفا کی مددہی سے سب بسے ہیں یہاں
وگرنہ دل جگر اپنے پڑے تھے اک ویراں　　اور اب جو پوچھو تو کیا پوچھتے ہو ان کی میاں

جگر ز زخم تو معمور دل زغم شاداست
زمین ز جور تو اقلیم درد آباد است

ستم اٹھانے کی اس میں نہیں ہے زیادہ مجال　　خدنگ عشق سے سینہ تو ہو گیا غربال
اور اشک آنکھوں سے آنے لگے لہو کی مثال　　نہ تاب ہم میں رہی ہے نہ دل میں ہے کچھ حال
بس اے حسن ہوا جاتا ہے جگر کا کچھ احوال　　کہاں تلک کوئی صدموں سے اس کے ہو پامال

نہ لے سما نہ کہ دیگر شکیب بر دارد
خدا کسند کہ زمین عشق دست بر دارد

حیرانؔ تخلص، نام میر حیدر علی۔ شاہجہان آباد میں پیدا ہوئے اور

لکھنؤ میں وفات پائی۔ ان سے ہے۔

صف مژگاں میں جس کی جیب نہ تب دل جا اٹکتا ہے
سمجھتا ہی نہیں ہر چند حیراں سر پٹکتا ہے

وہ کب تجھ میں نہیں جو دیر و کعبہ میں ہے بتلا تو
عبث کیوں اے دل بیہودہ تو در در بھٹکتا ہے

جدا جب تا ہوں حیراں آتش عشق نہانی سے
بجھا جاتا ہے دل اندر ہی سینہ آسا چٹکتا ہے

حسرت تخلص، نام جعفر علی، ابوالخیر عطار کے بیٹے جو لکھنؤ میں اکبری دروازہ کے سامنے دوکان کرتے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

نہ بھی منہ دیکھنے کے سبب ہم کو لگا یا اور ہوا
میری تو یہ شکل ہے ہائے چھوا اور ہوا

ہائے جب تک ہے جگر [illegible] جنگ
شمع سے یاروں تنگ جا کے ملا اور ہوا

[illegible]
دیکھیے اب میں جدا اس سے ہوا اور ہوا

سب کو [illegible] نصیب
وہ [illegible] فریب [illegible] اور ہوا

سینہ پہ مری جان زار آئی تب شب [illegible]
دل میں تیرا ب کی یاد درد اٹھا اور ہوا

مجھ سے نہ [illegible] خبر وہ نہیں آیا اگر
[illegible] پیغامبر میں نے سنا اور ہوا

کہنے یہ حسرت کے جا دل کسی سے لگا
عشق کا پھندا بنا جا کے پھنسا اور ہوا

کھلیں گے شکوے کے جبکہ دفتر ادھر ہمارے ادھر تمہارے
تو کیا کیا گزرے گی آہ دل پر ادھر ہمارے ادھر تمہارے

پڑو نہ ہم سے اے میرے صاحب یہ بات جانے دو مانو کہنا
نہیں تو مذکور ہوں گے گھر ادھر ہمارے ادھر تمہارے

شراب ہے یہ سمجھ کے پینا خراب کرتا ہے اس کو عالم
کہیں نشہ میں کھلیں نہ جوہر ادھر ہمارے ادھر تمہارے

قسم ہے تم کو قسم کی اپنے ملو نہ ایسا ملو گے جس میں
غم جدائی نہ آوے دل پر ادھر ہمارے ادھر تمہارے

تمہارے منہ پر ہے داغ چیچک ہمارے دل پر ہے داغ حسرت
یہ کیا چمکتے ہیں مثل اختر ادھر ہمارے ادھر تمہارے

گھٹا سو سو طرح کے رنگ سے بن ٹھن کر آتی ہے
پر اک ساقی نہیں ہے یہ تو کس کافر کو بھاتی ہے

اکیلا مجھ دل مہجور کو بادلی ڈراتی ہے
گرج کر ڈانٹ کر بجلی کی چمکاہٹ دکھاتی ہے

نہیں اس مینہ سے چونکوں ہوں تو اس بادل گرجنے سے
مجھے یہ رات کالی ہجر کی کافر جگاتی ہے

برنگ جگنو چنگاری ہو سر تا پا سلگتی ہے
ارے اے رات فرقت دن بدن کو کیوں جلاتی ہے

بڑی دولت بہی جاتی ہے تجھ بن کیا کہوں ظالم
یہ ہر اک بوند آنسو کی مرے اشک سواتی ہے

گھٹا کیا جھومتی جھکتی لٹکتی مینہ کی ماتی ہے
نہیں معلوم کس بدمست کی خناطر کو آتی ہے

بہار اس موسم برسات کی آئی ہے اب حسرتؔ
مجھے رہ رہ کے اپنے دل دوانے کی ہی آتی ہے

قطعہ

ناگہاں فصل خزاں میں جو گیا میں اکبار
باغ کے بیچ جو دیکھا تو نہ گل ہے نہ بہار

خاک اڑتی تھی چمن بیچ پڑے تھے خس و خار
یہ سخن کہتی تھی حسرت سے اک بلبل زار

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کروگے
لو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کروگے

دل لینے کو اور وں سے بھی کہدو گے بھلا کچھ
لاویں گے بجا ہم تو جو ارشاد کروگے

بیخوابی و حیرانی و طغیانی گریہ
آنکھوں پہ ہم لیں گے جو امداد کروگے

تاراج کیا صبر و دل و جان پھر آ گئے　　کیا خاک ہے تجھ میں جسے برباد کر گئے

کہنا بھی جو صبا تک تو جوانان چمن سے　　فرصت ہے کسے دل کو اگر شاد کر گئے

پانی کریں پتھر کو بھی حسرت کی یہ آہیں

دل اپنا بتاں کیا نہیں فولاد کر گئے

مخمس

ہوا معشوق اے عاشق مزاجی سے یار کس باعث　　تری نرگس بھی خواب آلودہ ہے بیدار کس باعث

خمار آیا تجھے اے حسن کے سرشار کس باعث　　مبدل ہو گیا رنگ گل رخسار کس باعث

مرے گلرو ہوا تو مثل بلبل زار کس باعث

میں اے سرو رواں تیرا عجب ہی رنگ کچھ دیکھا　　نہ وہ رونق رہی تجھ میں نہ ہے تو اس قدر رعنا

ہوا ہے حال کیا بتلا تو رشک بوستاں تیرا　　خدا نا خواستہ کیا تجھ کو آسیب خزاں پہنچا

نہیں اس تازگی پر اب ترا گلزار کس باعث

خدا جانے کیا ہے کس کی نرگس نے تجھے جادو　　ذرا کہہ تو نہ شرما دیکھ ادھر آ اے دلجو

تمہیں اب دل میں حسرت دیکھنے کی کس کی ہے گلرو　　ابھی تو گل سے بھی نازک ہیں رخسار اے گلرو

اٹھایا تو نے ہے ظلم جفائے یار کس باعث

تمنا سب کو ہے تیری تجھے ہے آرزو کس کی　　ترا جی کس پہ مائل ہے مرا قربان تجھ پر جی

بلا لایا ہے کس کا قد بالا تجھ پہ اب ایسی | لگی اے سرو تجھ کو بھی ہوا ہے عشق جوں قمری

دم سرد ان دنوں بھرتا ہے تو ہر بار کس باعث

مگر تو نے بھی اے دلبر کیا اب دے کے دل پیدا | ہماری طرح تیرا بھی کہیں کیا آہ دل اٹکا

جگر پانی ہوا سینہ سے جو امڈا ہے یہ دریا | ہوا شاید گذر دل میں ترے سیل محبت کا

نظر آتا ہے نم کا چشم میں آثار کس باعث

کیا تھا گل کے تئیں گھائل تری شکل و شمائل نے | چمن کی صف کی صف غرق کی خون مژگان قاتل نے

خدا ناکردہ سوا اب یوں ظلم تجھ کو لگے ملنے | نہیں دیکھی اگر کچھ درد کی صورت ترے دل نے

ہوئی تیماردار اب نرگس بیمار کس باعث

میں پوچھوں ہوں تجھے دلربا تو ہی ذرا کہہ تو | مرا احوال تو دل دے کے ہر دم پوچھتا ہے جو

اسی سے میں نے پہچانا محبت کی ہے تجھ میں بو | اگر غم سے نہیں تو ہے آشنا تو سچ بتا مجھ کو

مرے غم کا ہوا ہے تو مگر غمخوار کس باعث

پیا اے مست یار اب تو نے الفت کا ایاغ نو | عجب ہی طرح کا پھولا ہے تیرے دل میں باغ نو

عجب ہی گھر میں تیرے یہ ہوا روشن چراغ نو | مبارک ہووے تجھ کو لالہ بداغ داغ نو

چھپاتا ہے بہار تازہ اے دلدار کس باعث

کئی دن سے کہو اے یار تو چھپ چھپ کے روتا ہے | کسے ہے بات جب مژگاں پہ موتی پروتا ہے

نہ دن کو چین ہے تجھ کو نہ تو راتوں کو سوتا ہے
خلاف وضع سے تیری مجھے معلوم ہوتا ہے
کہیں عاشق ہے تو کرتا ہے پھر انکار کس باعث

یہی تھا درد جس سے تھی حلاوت کچھ نہ جینے میں
اجل آتی تھی سو سو بار اس سے ہر مہینے میں
اسی سے رات دن خون جگر آتا تھا پینے میں
یہی غم تھا کہ جس سے لگ رہی آگ سینے میں
نکلتی ورنہ دل سے آہ آتش بار کس باعث

ہماری طرح سے تجھ کو بھی ہے لے یار دل کا غم
ہماری طرح رہتی ہیں تمہاری آنکھیں بھی اب پرنم
تمہارے ہمدم ہم اور تو ہمارے درد کا ہمدم
ہم اور تو دونوں آب اک دل ہوئے بیٹھیں مل باہم
جو ہونا تھا ہوا کرتا نہیں اظہار کس باعث

کیا کرتے تھے جس کا تجھ سے ہم اظہار اے پیارے
سدا جس کا تھا محفل میں تمہاری تکرار اے پیارے
اذیت جس کی تجھ سے کہتے تھے ہر بار اے پیارے
یہی تھا عشق جو تجھ کو آیا زار اے پیارے
وگرنہ ہم ہوئے تھے زیست سے بیزار کس باعث

کہا سو بار سمجھا کر نہیں اے یوسف ثانی
کر و مت عاشقوں پر روز و شب اتنی ستم رانی
تمہارے بس میں تھے تم نے نہ ہرگز بات کچھ مانی
ہوئے جب مبتلا تم تب ہماری بے بسی جانی
تمہارے آگے ہوتے تھے نہ ہم ناچار کس باعث

جو آتے تھے ہماری بزم میں کہتے تھے تم مت آ
جو ہم ٹک بیٹھتے تھے تو یہی کہتے ابھی اٹھ جا

مزا اس خود نمائی کا میاں اب تم نے کچھ دیکھا   خدا کی قدرتیں ہیں دیکھنی ہم کو نہ ملنا تھا

تمہارے دل میں اب ہے حسرت دیدار کس باعث

تمہیں اپنا جو رو رو کر ہم افسانے سناتے تھے   تو ہم ہنستے تھے پیارے بلک اُ رونے کو ہنساتے تھے

غرض ہم کیا کہیں ہم پہ جو کچھ آفات لاتے تھے   ہمارے آہ و نالے پر تو سو باتیں بتاتے تھے

بتاؤ تم کو دم لینا ہوا دشوار کس باعث

بہت اپنے تئیں ہشیار ہی تم تو سمجھتے تھے   اور اپنے عاشقوں کو خار ہی تم تو سمجھتے تھے

لگانا دل کسی سے عار ہی تم تو سمجھتے تھے   نہایت آپ کو عیار ہی تم تو سمجھتے تھے

دیا دل ایسے ہی عیار کو اے یار کس باعث

میں یہ پوچھوں کہ جس تم سے دل تمہارا جس پہ شیدا ہے   وفا اور بیوفائی میں وہ اب تم سا تو کیسا ہے

نہیں کہتے ہو کیوں اس میں تمہارا کیا بگڑتا ہے   بتاؤ وہ بھی تم سا بیوفا ہے یا نہیں کیا ہے

بریں کہتے نہیں تم اس کے کچھ اطوار کس باعث

جو تم سا ہے ستمگر وہ تمہیں اچھا ملا دلبر   ستایا تھا بہت تم نے کرے وہ بھی جفا بہتر

ہمیں تو کچھ نہیں معلوم کیسا ہے وہ نیک اختر   جو تم سا ہی وہ ہے تو وائے تم پر حیف ہے اس پر

وگرنہ تم نے کھینچا اس قدر آزار کس باعث

نہیں کچھ بول سکتے ہم تمہاری ہم کو خاطر ہے   فِدے غارت گر ایماں تمہارا کوئی کافر ہے

کرم کا دھیان اس سے ہے ستم کا ذکر ہم پر ہے　　نہیں کو کھل کے کہتے حال تم باتوں سے ظاہر ہے

جفائے عشق کی کرتے ہو بس تکرار کس باعث

نہ مانو گو یہ تم میں عشق کے آثار ہیں سارے　　کوئی بے عشق مارے درد کے کس طرح مارے

لیے ہے تم سی کیسا بھلا کہیے ذرا بارے　　غم الفت نہیں تم کو تو حسرت کی طرح پیارے

ہوئے ہو اب تو مجنوں کی طرح بیمار کس باعث

حزیں تخلص، نام ابوالخیر۔ دلی کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

خوبی رخسار خوباں گل سے پوچھا چاہیئے　　اضطراب عاشقاں بلبل سے پوچھا چاہیئے

جو گذرتی ہے ہماری جان پر زلفوں کو دیکھ　　اس کی ماہیت کے تئیں سنبل سے پوچھا چاہیئے

خندۂ خوباں بجا ہے بادہ نوشوں کے اوپر　　بیخودی کی بات جا کر مُل سے پوچھا چاہیئے

اہل کشمیر و صفاہاں عیش کرتے ہیں مدام　　ہند کی لذت کے تئیں کابل سے پوچھا چاہیئے

لوگ کہتے ہیں ابوالخیر حزیں سودا ہوا
کچھ علاج اس مرض کا کل سے پوچھا چاہیئے

حیف تخلص، شاگرد میر شیر علی افسوس۔ یہ ان سے ہے۔

ملنے بھی نہ پائے اس جواں سے — حسرت زدہ ہم چلے جہاں سے

گو آپ نہ آئیے ولیکن — اقرار تو کیجئے زباں سے

کافی ہے ترا ہی دید ہم کو — کیا کام بہار و بوستاں سے

ہے دور شراب لیک ساقی — ڈرتا ہوں میں دور آسماں سے

اے راہ رو مری زبانی — کہنا یہ پیام کارواں سے

رستے میں تھکا ہوا پڑا ہے — اک شخص تمہارے ہمرہاں سے

کیا پوچھئے حیف کی حقیقت

ناشاد گیا وہ اس جہاں سے

حیدری تخلص، نام میر حیدر بخش، دلی کے رہنے والے، بالفعل مسند حیات پر موجود ہیں اور اس خاکسار کو نہایت ان کی خدمت میں بندگی اور اشعار اس طرح کے کہتے ہیں۔ یہ ان سے ہے۔

برابری کا ترے گل نے جب خیال کیا — صبا نے مار کے طمانچے منہ اس کا لال کیا

وہیں ہو چیں بجبیں غصے سے کہا مت بک — کبھی جو بوسے کا اس سے میں ٹک سوال کیا

نہ آئی کچھ بھی مسیحائی تیری کام مرے — بدن سے روح نے آخر کو انتقال کیا

گرا تھا کٹ کے زمیں پہ کبھی ترا ناخن　　فلک نے اس کو اٹھا کر وہیں ہلال کیا

ادا کا اس کی، نہ دیکھا میں حیدری محبوب

خدا نے اس کو زمانے میں بے مثال کیا

سوسو سرخ پہن کپڑے وہ وہ وہ جو گھر میں آیا

چہ چہ چادر شفق میں خو خو خور نے منہ چھپایا

کہ کہ کل جو بوستاں میں تو تو تم گئے پیارے

نہ نہ گل سے بولی بلبل نہ نہ گل نے سر اٹھایا

شہ شہ شمع رشک کھا کے جہ جہ جل گئی ستمگر

نہ نہ تیرا دیکھ مکھڑا مہ مہ مہ نے داغ کھایا

جو جو جاؤ گے یہاں سے تو تو پھر مجھے پیارے

نہ نہ پاؤ گے کبھی تم یہ یہ میں نے کہہ سنایا

سوسوسُن کے میری باتیں غو غو غصہ ہو کے بولا

یہ یہ کی نہیں محبت سہ سہ سر تجھے چڑھایا

بہ بہ بول بس نہ اتنا چہ چہ چرخ اپنی کہ بند

بہ بہ بے سبب ہمارا مہ مہ مغز کیوں پھرایا

شہ شہ شکوہ کس کا کیجئے دو دو دوس کس کو دیجئے
طہ طہ طالع میں جو اپنے تھا تھا تھا لکھا سو پایا
کہ کہ کی بہت سی اپنی پہ پہ وہ ہوا نہ اپنا
جہ جہ جاؤں اب کدھر ہیں کہ کیا کروں خدایا
پو پو پوچھوں ہوں میں تم سے دو دو دشمنوں سے ہنس کر
حہ حہ حیدری کو اپنے تو تو تم نے کیوں رلایا

لعل و یاقوت ہیں کب لخت جگر سے بہتر — دُر کا منہ دیکھو جو ہو گوہر تر سے بہتر
زلف و رخ کی نہ کریں تمہارے کیوں کر — لطف ہے اس میں ہر اک شام و سحر سے بہتر
تیغ ابرو سے صنم سینہ پہ داغ مرا — ہیں یہ دو قبضہ شمشیر و سپر سے بہتر
فکر ہے کیا کروں اس بت کی کف پا پہ نثار — چیز رکھتا نہیں کچھ اور میں سر سے بہتر
یہ چلے کس لئے نہ داغ جگر پہ کیوں کھائے — عارض اس کے نہ ہوں گر شمس و قمر سے بہتر
لخت دل گھٹتے دے ٹک نوک مژہ سے کہ تجھے — سیر دکھلائیں صنم شاخ و ثمر سے بہتر

حیدری کون یہ کہتا ہے یہ گلزار جہاں
شاخ گل میں ہے لچک اس کی کمر سے بہتر

جلوہ گر دیکھے اگر تیرا سنہرا تعویذ — کرے خورشید اسے اپنے گلے کا تعویذ
کوند بجلی کی کہاں ابر سیہ میں ایسی — چمکے جس طرح ہے بالوں میں تمہارا تعویذ

گہنے سو طرح کے اک ڈوڑے پہ صدقے اس کے — چشم بد دور ہے کیا بازو پہ زیبا تعویذ

جگنو وہ جس پہ نہ ٹھہرے کبھی سورج کی نظر — تس پہ اک اور گلے میں یہ چمکتا تعویذ

بندے بالے وہ غضب حلقہ بینی یہ بلا — نورتن داچھڑے اور اس پہ یہ سادا تعویذ

جو سیانے تھے کہوں کیا میں دوانے وہ ہوئے — اس پہ پہنے جو ہیں اپنا دکھایا تعویذ

ہیکل اور دھکدھکی دلبری سے نہیں اسکو غرض — جس کی چھاتی پہ لٹکتا ہے ایسا تعویذ

اس کی آنکھوں کے نہ دیکھے کبھی بیمار بحال — آبی و آتشی کو لکھ کے پلایا تعویذ

بو ترابی نہ اگر حیدری ہوتا تو یوں
خاک سے کربوبلا کے نہ بناتا تعویذ

سر دھرکے ترے خنجر خونخوار تلے ہم — جی سے گئے پیارے پہ سر مو نہ ٹلے ہم

رکھ لخت جگر ہاتھوں پہ با دیدہ خونبار — اے وائے ترے کوچہ سے یاں یوں چلے ہم

دل سوزی نہ کی تونے کبھی آن کے اک دن — جوں شمع ترے غم میں ہر اک رات جلے ہم

بوسہ تو نہ دے گا کبھی ہاں ہوں ہی کرے گا — سمجھے ہیں بہت تجھ سے یہ آلے بلے ہم

ارمان یہی جی میں رہا حیدری اپنے
سوئے نہ کبھی اس کے ذرا لگ کے گلے ہم

اس بیوفا کے عشق میں گرچہ وفا نہیں — پر کیا کروں میں دل تو مرا بوجھتا نہیں

اے دل سمجھ کے رکھیو قدم کوئے عشق میں — جیتا تو اب تلک کوئی واں سے پھرا نہیں

قاتل ترے شہید نے تا قتل جز دعا — حق میں ترے بھی اور کچھ اُن نے کہا نہیں
یوں آپ کی خوشی ہے مجھے قتل کیجیے — پر حق تو ہے یہی کہ مری کچھ خطا نہیں
مت اس کی دوستی کا تجسس کر حیدری
یہ چرخ کینہ جو کسی کا آشنا نہیں

کہتے ہو کہ میں خوش ہوں یہاں تک تو غمیں ہو — اچھا یونہیں سرکار کی مرضی ہے یونہیں ہو
بیتابی مرے دل کی اگر اس کو یقیں ہو — بے مہر نہ اتنا ہو نہ یوں بر سر کیں ہو
ظلمت کدہ میں اپنے ہے یوں روشنی داغ — جگنو کی چمک جیسے اندھیرے میں کہیں ہو
کیوں اندر طرف دل کے تئیں ڈھونڈھنے جاؤں — سو بسو بے اگر ہوشے تو اس وقت وہیں ہو
بو عشق کی چھپتی نہیں ڈرتا ہوں یہ الفت — چرچے میں نہ مشہور کہیں سے نہ کہیں ہو
بر آئے نہ زنہار اُمید ثمر و گل — جب تک نہ کوئی تخم نمط خاک نشیں ہو
کیا پوچھتے ہو اس کے دم سرد کی یارو — جو سوختہ آتش دوری ہو حزیں ہو
حوروں کا نہ لالچ اسے اے شیخ تو دکھلا — پہلو سے لگا جس کے وہ غارتگر دیں ہو
ہے زندگی خضر سے بہتر مجھے وہ مرگ — بالیں پہ مری گر وہ دم باز پسیں ہو
اے حیدری جوں نقش قدم بیٹھ اسی پر
تقدیر کا ہونا ہے جو کچھ سو وہیں ہو

زلف میں اس کی دل مرا اب تو پھنسا یو ہو سو ہو — دیکھئے آگے کیا کرے بخت رسا جو ہو سو ہو

تیغ ستم اگرچہ ہے کوچۂ یار میں بلند　　میں بھی چلا ہوں دوستو سر کو جھکا جو ہو سو ہو
نقد دل اور جان دے ہم نے کیا خرید عشق　　آگے نصیب میں لکھا عیش و بلا جو ہو سو ہو
یہ تپ عشق دیکھ کر کہنے لگا مجھے طبیب　　شربت وصل بن نہیں اس کی دوا جو ہو سو ہو
لے پئے جام وصل میں پند نہ چھوڑوں دوستو　　کوئی مجھے برا کہے یا کہ بھلا جو ہو سو ہو
قتل کرے کہ چھوڑ دے تم نہ کرو کچھ اس میں فکر　　لے چلو مجھ کو واں ذرا بہر خدا جو ہو سو ہو
لے کے اپنا درد دل جیتے رہوں گا میں کبھی　　خواہ وہ سن کے ہووے خوش خواہ خفا جو ہو سو ہو
فقر دے مجھ کو یا غنا غم نہیں اس میں اک ذرا　　راضی ہوں میں ہر آن میں اسکی رضا جو ہو سو ہو
دامن آل مصطفیٰ حیدری دے نہ ہاتھ سے
گو کریں تجھ پہ اشقیا جور و جفا جو ہو سو ہو

پوچھتے کیا ہو آہ مت پوچھو　　بد بلا ہو ہے چاہ مت پوچھو
صف مردم کرے ہے نت برہم　　نگہ کج کلاہ مت پوچھو
شیخ گم گشتہ ازل خود ہے　　ہم ہو اس سے راہ مت پوچھو
گردشیں نت نئی دکھاتا ہے　　یہ فلک روسیاہ مت پوچھو
حیدری ہیں اسی کے یہ پرتو
جلوہ مہر و ماہ مت پوچھو
جب وہ شمشیر بے نیام کرے　　دم میں عالم قتل عام کرے

دیکھ لینے میں جان مارے ہے — اس سے کیونکر کوئی کلام کرے
حشر تک پھر رہے پریشاں وہ — زلف میں اس کی جو مقام کرے
تاج شاہی سے لوں اٹھا میں ہاتھ — آج اپنا جو وہ غلام کرے
حیدری ہو گیا ہے وہ سرکش
بت کو تیرے خدا ہی رام کرے

مخمس

یا رب جب اپنا صحن چمن میں گذار ہو — اور اپنا اپنے ہاتھ وہ رشک بہار ہو
پھولے ہوں گل کہیں اور کہیں لالہ زار ہو — جز مے کشی کے ہم کو نہ کچھ اور کار ہو
جب دیکھئے بہار کہ کیسی بہار ہو
پہنے ہو میرا یار قبا بر میں بوٹی دار — اور ہوں گلے میں اس کے پڑے سیوتی کے ہار
سر پہ سجا ہو پھینٹا کوئی اس کے لالہ دار — اور وہ گلے سے میرے لپٹ جاوے ایک بار
جب دیکھئے بہار کہ کیسی بہار ہو
یا رب کہے ہے تجھ سے یہ ہر روز دل حزیں — دے اک مکان تو ایسا جو وہ ہووے رشک چیں
میں ہوں نہاں اور ہو وہ مرے ساتھ نازنیں — ساقی ہوئے ہو مینا ہو مطرب ہو مہ جبیں
جب دیکھئے بہار کہ کیسی بہار ہو

دل حسب کوئی باغ ہو سبزہ ہو لہلہا　　نہریں ہوں بہتی اس میں اور ہو گل سے وہ بھرا
امڈا ہوا ہو چاروں طرف ٹھنڈی ہو ہوا　　صحن چمن میں سیر کریں ہم اور دلربا

جب دیکھیے بہار کہ کیسی بہار ہو

ادھر سے برق کڑکے ادھر بلبلوں کا غل　　ادھر بہار ابر کی ادھر بہار گل
نہریں ادھر بہیں اور ادھر یار و جام و مل　　آ کے بجاتے ہوویں پھر اہل طرب دُہل

جب دیکھیے بہار کہ کیسی بہار ہو

بلبل ہر ایک گل کے وہاں لگتی ہو گلے　　اور قمریاں بھی بیٹھیاں ہوں سرو کے تلے
نہروں کے گرد پھرتے ہوں بگلے و قرقرے　　جا بیٹھیں ہم اور یار بھی اک سایہ کے تلے

جب دیکھیے بہار کہ کیسی بہار ہو

تختے کہیں گلاب کے پھولے ہوں جا بجا　　اور لہلہاتے ہوں کہیں بیلا اور موتیا
خوشبو کی جھولیوں کو اڑاتی پھرے صبا　　لپٹا ہو یار سینہ سے ہو کچھ نہ دغدغا

جب دیکھیے بہار کہ کیسی بہار ہو

دن کو تو یہ بہار ہو شب کو یہ ہو مزا　　نکھرا ہو ماہ اور چاندنی چھٹکی ہو جا بجا
بالائے بام باغ کے ہو اک پلنگ بچھا　　میں ہوں اور میرے ہو یار چھاتی مری لگا

جب دیکھیے بہار کہ کیسی بہار ہو

ہوتی ہو زیر باغ کے صحرا میں سائیں سائیں — گلشن میں بلبلیں بھی کچھ اک اتنا غل مچائیں
کچھ اپنی وہ کہے اسے کچھ اپنی ہم سنائیں — وہ ہم کو مے پلائے اسے ہم بھی مے پلائیں

جب دیکھئے بہار کہ کیسی بہار ہو

بدمست وہ شراب میں ایدھر ہو لوٹ پوٹ — اودھر میں اپنی گھات میں کر بیٹھوں اس پہ چوٹ
جاویں لپٹ کے دونوں پھر ہم اس پلنگ پہ لوٹ — اس دم کوئی اٹھانے کی آوے اگر نہ کھوٹ

جب دیکھئے بہار کہ کیسی بہار ہو

لیٹا ہو میری گود میں وہ ماہ بے حجاب — پیتا ہوں میں گلے سے لگائے اسے شراب
ہو جاوے نہ کبھی رشک سے جل کر کے وہاں کباب — ہووے نہ دل کو میرے کسی شے کا اضطراب

جب دیکھئے بہار کہ کیسی بہار ہو

زلفوں میں اس طرح سے نظر آئے روئے یار — مہتاب دے ہے ابر میں جس طرح سے بہار
جی میں ہو کچھ سرور کچھ آنکھوں میں ہو خمار — پڑھتے ہوں حیدری بھی غزل اپنی بار بار

جب دیکھئے بہار کہ کیسی بہار ہو

حاتم تخلص، نام ان کا معلوم نہ ہوا کہ کیا تھا۔ یہ ان سے ہے۔

کروں قربان جی کو اس گھڑی اس وقت اس پل کے
کہیں دن جس گھڑی دلدار آوے گھر مرے چل کے

جہاں کے خوبصورت دیکھ تجھ مورت کو محمل میں
رہے خاموش حیرت سے گویا پتلے ہیں سب گل کے

نہ آوے کیونکے مجھ کو خواب راحت بستر غم پر
تصور تیرے پا کے گویا گل تکئے ہیں مخمل کے

یہی طور ہم ستی بد زیب گلرو یاد رکھنا تم
کہ اک دن شوق سے آ ہار ہو جائیں گے ہم گل کے

فدا ہونے کو آیا ایک جی کس کس کے اب چل کے
لبوں کے پان کے مسی کے منہ کے تل کے کاجل کے

سجن حاتم کا جی ہر آن پر قربان جاتا ہے
تمہاری چال کے سج کے اکڑ کے زلف کے بل کے

خ کے باب میں

خدمت تخلص، نام فرحت علی۔ لکھنؤ میں رہتے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

دو دن کی زندگانی ہم سے کلام کر لے ۔ اک بار میرے گھر میں دلبر مقام کر لے
مت بھول حسن پر تو کس پر سدا رہے گا ۔ اک بوسہ کر عنایت مجھ کو تو رام کر لے
دامن اٹھا کے یاراں کہتا ہوں آج ڈر سے ۔ تو بادشہ حسن کا مجھ کو غلام کر لے
افسوس ہے یہ مجھ سے وعدہ کیا تھا تم نے ۔ اس وعدہ کو تو اپنے دلبر تمام کر لے

گر وہ چلا سفر کو کہتے ہیں لوگ مجھ کو
خدمت میں جا کے اس کی تو بھی سلام کر لے

خاکسار تخلص، نام شاہ خاکسار، دلّی میں نزدیک قدم شریف کے رہتے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

مخمس

جو کہ ثابت ہو وفا میں یار ایسا چاہیئے آن میں لے جائے دل دلدار ایسا چاہیئے
قتل کر ڈالے پل میں دل خونخوار ایسا چاہیئے رات دن جو مست ہو سرشار ایسا چاہیئے
یار ایسا چاہیئے دلدار ایسا چاہیئے

دیکھنے کو میں گیا تھا خوبرویوں کی بہار واں پڑا تھا ایک دلبر مست کیفی پر خمار
جوہیں دیکھا اس نے مجھ کو یوں لگا کہنے پکار دیکھیو جینا نہ جانے پائے یہ تازہ شکار
مست ایسا چاہیئے ہشیار ایسا چاہیئے

دیکھتا کیا ہوں میں تو تھا ابھی چنگا بھلا دو ہیں دلبر نے بچھا کر زلف کا دام بلا
دانۂ الفت دکھا کر دل لیا میرا پھنسا پھر وہ اپنی مجھ کو دکھلانے لگا جور و جفا
ظالم ایسا چاہیئے خونخوار ایسا چاہیئے

جب کہ دیکھا پھنس چکے اس دام میں صیاد کے اور حوالہ ہو چکے اس قاتل جلاد کے
بال و پر جاتے رہے سب مجھ دل ناشاد کے محض بے بس ہو کے قابل نے رہے فریاد کے
بے بس ایسا چاہیئے لاچار ایسا چاہیئے

آپ تو جلتے تھے یارو عشق کی آتش میں ہم دوسرے سہتے تھے اس صیاد کے جور و ستم
روز ہوتا تھا ہمارے قتل کرنے کا حکم کیونکے وہ جیتا بچے گا جس پہ ہو یہ سخت غم
حکم ایسا چاہیئے سردار ایسا چاہیئے

ایک تو نازو ادا اتھی اس بت کفار میں
دوسرے دل بستگی تھی رشتۂ زنار میں

تھی پرستش بے نہایت اس بت دیوار میں
کتنے زاہد پھنس رہے تھے اس کے ہر اک تار میں

کافر ایسا چاہیئے زنار ایسا چاہیئے

ناتوانی سے لگا دل اب تو کھانے پیچ تاب
ہوگیا بیمار بسمل دل تو واں جاکر شتاب

عشق کی آتش ستی جلنے لگا مثل کباب
خاکسار اس ناتوانی سے ہوا ہے لاجواب

بسمل ایسا چاہیئے بیمار ایسا چاہیئے

خلیق تخلص، میر احسن نزالہ کے بھائی۔ سولہ برس کی عمر میں شوق شعر کا پیدا کیا تھا۔ یہ طبع زاد ان کا ہے -

اشک جو چشم خوں فشاں سے گرا
تھا ستارہ کہ آسماں سے گرا

اس پہ جل بل کے گل کباب ہوا
رات بلبل جو آشیاں سے گرا

شیشۂ دل تو چور ہو جاتا
کوئی پتھر نہ آسماں سے گرا

میں نے آنکھوں سے لے لیا اس کو
پھول جو دست باغباں سے گرا

ہنس دیا یار نے جو رات خلیق
کھا کے ٹھوکر جو آستاں سے گرا

دال کے باب میں

درؔد تخلص، خلف الصدق حضرت شاہ ناصر کے اور شاہ گلشن کے مرید۔ دلّی کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا — تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گیا بدن خالی — جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

نالہ فریاد آہ اور زاری — آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

اب لبوں نے نہ کی مسیحائی — ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

نہ ورعاشق مزاج ہے کوئی

دردؔ قصہ کو مختصر دیکھا

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے — تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے

ان دونوں کچھ عجب ہے، دل کا حال
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

تو جو کرتا ہے دل دہی کا زیاں
فائدہ اس زیان میں کچھ ہے

دلؔ تخلص، نام محمد عابد، عظیم آباد کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

نالے ہی سدا بھر بھر دن عمر کے بھرتے ہیں
ہیں فرقے میں ہم تجھ بن جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

غمخوار ہر ایک اپنا پیٹے ہے سر و سینہ
ہم مقام کے جب دل کو سر زانو پہ دھرتے ہیں

فرقت سے ڈراتے ہو ہر دم جو ہمیں یارو
اللہ خدا سے بھی یہ یعنی نہیں ڈرتے ہیں

اک دم نہ کیا اس نے بھولے سے گذر اپنا
ہم جس کے لئے ہر دم دنیا سے گذرتے ہیں

اب ذکر کے کرنے کی کھاتے ہیں قسم پھر وہ
مذکور ترا گاہے آگے مرے کرتے ہیں

یاں سیتی یہ دلؔ اپنا گھبرایا ہی جاتا ہے
واں بال جو ٹک اس کی زلفوں کے بکھرتے ہیں

دایم تخلص، نام دایم علی۔ کلکتہ میں تھے۔ یہ ان سے ہے۔

اُٹھا کر زلف چہرہ سے جو رشک آفتاب آیا
شب دیجور میں گویا نکل کر ماہتاب آیا

الم کر ابروئے خمدار کی تلوار وہ قاتل
کرے گا قتل جو مجھ کو یہی کرتا خطاب آیا

بفرش مخملی نرمی سے جو ہیں اس نے پا رکھا
قدم کی اس کی نرمی سے وہیں مخمل کو خواب آیا

مئے بے ہوش سے گالی جو اس کے منہ سے کھاتا ہے
اسے سب لوگ کہتے ہیں کہ یہ پی کر شراب آیا

قبا یہ صندلی تیری گلابی یہ تیری پگڑی
ہے میرے دردسر کے واسطے صندل گلاب آیا

ترے رخ کے پسینہ کا تصور جب لگا کرنے
پڑی یہ گل اُپر شبنم یہی مجھ کو جواب آیا

میں دایم ہوں ترا مشتاق تو مجھ پر ستم مت کر
ستم سے دم مرا لب کے اُپر مثل حباب آیا

جب سے میں تیرا صنم طالبِ دیدار ہوا　　جگ میں رسوا ہوا بدنام ہوا خوار ہوا

زندگانی کا بھروسا نہ کبھی کیجیو صنم　　کون ہے جس کو نہیں موت کا آزار ہوا

آج کل گرم ہے بازار ترے عالم کا　　حسن کا تیرے ہر اک جگ میں خریدار ہوا

حسن پہ اپنے گھمنڈ اتنا نہ کیجیو اے شوخ　　پھر تو پچھتاوے گا جب حسن پہ بیزار ہوا

کچھ نہیں چلتی مری شوخ جو چاہے سو کر

اب تو دایم تری زلفوں کا گرفتار ہوا

قاصد مرا پیغام مرے یار سے کہنا　　گر وہ نہ ملے اس کے تو گھر بار سے کہنا

اب واسطے دیدار کے دل تڑپے ہے قاصد　　تو دل کی حقیقت مرے دلدار سے کہنا

گر شوخ نہ مانے تری باتوں کو اے قاصد　　تو ایک سے کیا رو رو کے دو چار سے کہنا

بیمار ہوں میں عشق کا دیدار دوا ہے　　تو باغ میں جا نرگس بیمار سے کہنا

اس شیشۂ دل چور کی قیمت مرے قاصد　　واجب ہے مجھے اپنے خریدار سے کہنا

قاصد مرا پیغام سمجھ کر کے تو کہیو　　کچھ کہنا خفا ہو کے اور کچھ پیار سے کہنا

لالہ کی طرح داغ مرے دل نے ہے کھایا　　رو رو کے تو بستاں میں جا گلزار سے کہنا

دایم تو عبث کہتا ہے ہر اک ستی رو رو

کہئے تو کسی گل سے اور کیا خار سے کہنا

یار کیسی لگی تجھے ٹھوکر　　جانا ہوگا تیرا جی ٹھوکر

بولا ہنس کر کہ تم دعا مانگو نہ لگے ایسی پھر کبھی ٹھوکر
پھر نہ کوچہ میں تیرے آؤں گا یار مجھ کو لگی بری ٹھوکر
جب سے پیدا ہوا تھا میں قضا کبھی ایسی نہ کھائی تھی ٹھوکر
اے دلا ہے تری عبث زاری مری قسمت کی تھی بدی ٹھوکر
تیری ہی بد دعا سے اے دائم
حق تعالیٰ نے مجھ کو دی ٹھوکر

ساقی خدا کے واسطے اب شتاب کر ہوتی ہے شب تمام قدح پر شراب کر
مجھ دل جلے کے دل کو تو از آتش فراق مت ٹکڑے ٹکڑے کر کے اے دلبر کباب کر
دے بخش عاشقوں کے تئیں دولت وصال غافل نہ ہو مدام یہ کار صواب کر
کب تک ہمارے دل کو ستاتا رہے گا تو میں تجھ سے پوچھتا ہوں تو مجھ سے جواب کر
تو جانتا ہے دل ہے مرا خانہ خدا مت خانہ خدا کو اے ظالم خراب کر
مجلس کے درمیان نہ ہنس ہنس کے بات کر اے شوخ بے حجاب تو کچھ تو حجاب کر
جی چاہے بات کرنے کو گر تیرا اے صنم آہستہ مرے کان میں جھک کے خطاب کر
موقوف کر شراب کہ شب ہو چکی تمام چل لب بلب ہو سینہ بہ سینہ ہو خواب کر
دائم وصال یار ہمیشہ ہے چاہتا
یا رب دعا ہماری یہ تو مستجاب کر

آج آئی بہار گلشن میں | ہے کھڑا گلعذار گلشن میں
چل رہی ہیں گلابیاں پیہم | بج رہا ہے ستار گلشن میں
نرگسی چشم سے صنم کی مرے | آج کچھ ہے خمار گلشن میں
ہر طرف میری طرف کر کے خطاب | یوں کہے ہے پکار گلشن میں
کیوں نہ پھولا سمائے میرا دل | یار ہے ہمکنار گلشن میں
سروِ دل غم سے کیوں نہ ہو آزاد | ہے کھڑا غمگسار گلشن میں
جی سے ہر ایک عندلیب چمن | ہے گل اور پر نثار گلشن میں
چشم عاشق کی آبیاری سے | آج ہے آبشار گلشن میں
غم نصیبوں کے دل کی آہوں سے | چھوٹتے ہیں انار گلشن میں

اس شمع رو کے گرد ہے دائم
آج پروانہ وار گلشن میں

آج بیٹھا ہے یار پہلو میں | دیکھتا ہوں بہار پہلو میں
غم کسی بات کا مجھے کیا ہو | بیٹھا ہے غمگسار پہلو میں
گہ رلاتا ہے گہ ہنساتا ہے | ہے عجب دوستدار پہلو میں

دہ اٹھا دے گا تجھ کو اے دائم
چپ رہ کچھ دم نہ مار پہلو میں

جب جدا مجھ سے یار ہوتا ہے
دل مرا بیقرار ہوتا ہے

آہ کے کھینچنے سے سینہ میں
درد بے اختیار ہوتا ہے

دیکھئے کب وہ بیوفا دلبر
مجھ سے آ ہمکنار ہوتا ہے

عید سی ہوتی ہے خوشی اس دن
جب وہ مجھ سے دوچار ہوتا ہے

مثل پروانہ یہ دل بیکل
شمع رو پر نثار ہوتا ہے

کیوں نہ جاکر رکاب تھامے دل
یار میرا سوار ہوتا ہے

رات دن داغ ہجر سے تیرے
دل مرا لالہ زار ہوتا ہے

تو ہے گل میں ہوں بلبل شیدا
گل سے بلبل کو پیار ہوتا ہے

جب کہ غصہ میں آتا ہے وہ صنم
اس کا رخ گل انار ہوتا ہے

لطف سے گر تو نا خدائی کرے
بیڑا عاشق کا پار ہوتا ہے

وعدہ کل تو مجھ سے آج نہ کر
جھوٹ تیرا قرار ہوتا ہے

دیکھئے کب مرے مزار اوپر
آکے تیرا گذار ہوتا ہے

اب یہ دائیم تری جدائی سے
رات دن اشکبار ہوتا ہے

دل مرا ہوگیا دوانہ ہے
اب ہمارا نہیں ٹھکانا ہے

تھا جو وہ میرا مونس و ہمدم
ہوگیا مجھ سے وہ بگانہ ہے

کھانے پینے سے مجھ کو کام نہیں — اٹھ گیا میرا آب و دانہ ہے
تیرے کوچہ کو دل کے داغوں سے — مجھ کو گلزار سا بنانا ہے
دین و ایمان تو جو ہے میرا — جانتا اس کو اک نے مانا ہے
میں نے سر پر کفن جو باندھا ہے — یہ بھی عاشق کا ایک بانا ہے
زورق دل ہے موج میں غم کی — اور سمندر کا یہ موہانا ہے
کیونکے تیری گلی کو میں چھوڑوں — یہ تو اپنا غریب خانہ ہے
پاسکے کون اپنے مقصد کو — گرم وہ تیرا آستانہ ہے
خوبرویوں میں تجھ کو ہے شادی — سب سے تیرا بڑا گھرانا ہے
ماہ رویوں ستی وصول تجھے — نعل بندی ہے اور خزانہ ہے
یارو میرا جگر مثال ہدف — تیر مژگان کا نشانہ ہے
غیر سے خوش ہے اور مجھ سے مدام — عذر ہے حیلہ ہے بہانا ہے
میرے پہلو میں بیٹھ جا دم بھر — گر تجھے کوئی دم میں جانا ہے

لوگ دائم کو دیکھ کہتے ہیں
ناقص العقل ہے دِوانہ ہے

دنیا کے کاروبار سے کیا مجھ کو کام ہے — یارو مجھے تو یاد صنم کی مدام ہے
تعریف اس کے کوچۂ دلکش کی کیا کروں — کوچہ نہیں وہ روضۂ دارالسّلام ہے

یارو نہ پوچھو مجھ سے کوئی مسکن لطیف — دلدار کی گلی میں ہمارا مقام ہے
کعبہ کو تو اے شیخ نہ تکلیف دے مجھے — تجا نہ میرے حق میں یہ بیت الحرام ہے
بیت الصنم کے در کو در کعبہ جان کر — سجدہ سلام کرنا مجھے صبح و شام ہے
اس بیوفا کے لشکر فرقت نے وا دریغ — گھر بار میرے صبر کا لوٹا تمام ہے

بے صبر و بے شکیب ہے خانہ بدوش ہے
دل خستہ اور دوانہ یہ دائم مدام ہے

تیری خاطر کے لئے سارا زمانہ ہم سے — پھر گیا اب تو صنم اپنا بیگانہ ہم سے
بیوفا سخت ہے تو کس نے سکھایا یہ ڈھنگ — بولنا اوروں سے خاموش ہو جانا ہم سے
بولا ہنس کے وہ صنم واہ رے تیرا شکوہ — دل لگانا کہیں اور آنکھیں لگانا ہم سے
رات پھر کس کے گلے سوتے تھے لگ کے صاحب — صبح اٹھ کر کے یہاں آئے چھپانا ہم سے
آئینہ لے کے ذرا منہ کو تو اپنے دیکھو — پان کھا کر کہیں اور کرنا بہانہ ہم سے
ہم نے جو پوچھا تو کہتے ہو کہاں ہم گئے تھے — رات بھر تم رہو اور پوچھو ٹھکانا ہم سے

ہاتھ اٹھا کر کے لگے کہنے اسے او دائم
ہم نے دیکھا یہ قسم جھوٹ یوں کھانا ہم سے

ذال کے باب میں

ذوقیؔ تخلص، ایک فقیر خانہ بدوش تھا۔ شعر بطور بازاریوں کے کہتا تھا۔ x
اس سے ہے۔

جلد آمل جو تجھ کو آنا ہے — ورنہ کوئی دم کو دام و دانہ ہے
تجھ کو ڈھونڈھے کوئی کہاں ذوقیؔ — نہ ترا ٹھور نہ ٹھکانا ہے

رے کے باسیاں

رضا تخلص، مرزا رفیع السودا کے شاگرد- اور صاحب دیوان- یہ ان سے ہے-

مرے در سے پیارے اگر جائیے گا		بہت دل کے ہاتھوں سے دکھ پائیے گا
نہ کہیئے کہ عاشق نہیں جان دی		تماشا تمہیں یہ بھی دکھلائیے گا
سمجھتے ہو تم خوب غیروں سے ملنا		کئے کو بہت اپنے پچھتائیے گا
کبھی اے عزیزو قدم رنجہ کر کر		اگر اس کے کوچہ تلک جائیے گا

رضا مر چلا ہے جدائی میں تیرے
مرا یہ پیام اس کو پہنچائیے گا

جب شکر لب نے لب اپنے سے سنائی گالی
مجھے میٹھی لگی خوش ہو کے میں کھائی گالی

کیا حلاوت تھی تری گالی میں اللہ اللہ
قند مصری کی مگر تھی یہ بنائی گالی

چھیڑ کر تیرے تئیں آپ سے ہم کھاتے ہیں
عاشقوں کو ترے ہے دودھ ملائی گالی

ترش رو ہو کے شکر لب جو مجھے دیتا ہے
وصف رکھتی ہے کھٹائی میں مٹھائی گالی

ہے رفتا تیری زباں پہ تو نپٹ شیر و شکر
یہ نئی طرح کی اب تو نے بنائی گالی

جب کہ در پردہ مجھے اس نے سنائی گالی
سرنگوں اور میں خاموش ہو کھائی گالی

سن نظارے کی یہ باتیں جو کہیں اے ہمدم
کوچہ یار میں کل ہم نے ہے کھائی گالی

گالی کیا تھی کہ معطر تھا سراسر کوچہ
عطر میں اس نے یہ کیا خوب بسائی گالی

بس رفتا چپ ہو کہ اب جائے خموشی ہے گی
ایک دل کیا ہے تو سو دل سے ہے بھائی گالی

روح الامیں نام، رہنے والے دلّی کے۔ یہ ان سے ہے۔

غمزہ تو در فن عاشق کشی استاد ہے
آہ ہے افسوس ہے، ہیہات ہے، فریاد ہے

می روم سوی بت و لے ترسم کہ تیر غمزہ اش | تیر ہے، خونریز ہے، ہمیز ہے فصاد ہے
یار ما گر ساقی و مطرب شود بزمش بہ بیں | رنگ ہے، نیرنگ ہے، آہنگ ہے، ارشاد ہے
بر سرم چرخ از رعونت سایۂ رحمی نہ کرد | فلک ہے، فرعون ہے نمرود ہے شداد ہے
گفتمش در پردہ شمع تجلی چیست گفت | حسن ہے، خورشید ہے مہتاب ہے، ایجاد ہے
اے دلا امشب نگر نیرنگیٔ چشم نگار | نور ہے، رنجور ہے، مخمور ہے صیاد ہے

مصرع آہم بہ دل نشتر زند روح الامیں
اے ز دست داد ہے بیداد، فریاد ہے

رفیق تخلص، عظیم آباد میں رہتے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

آن اس جان کی ہے سب سے نرالی خاصی
چہ چلہ جھڑکی اور انداز کی گالی خاصی
دانت پر کیوں نہ چڑھے حسن بھلا اسی اس کے
رنگ مستی کی غضب پان کی لالی خاصی
گلبدن ہی کی نہیں پائوں میں اس کے شلوار
کرتی تصویر ہے لاہی کی رُمالی خاصی
چاند ماتھے پہ لگا موتیوں سے مانگ بھری
زلف لہراتی ہے اس مکھڑے پہ کالی خاصی

شان جھمکوں کی ترے کیونکے نہ ہوئے بالا
بے بہا موتی ہے اور کان کی بالی خاصی

چٹکیاں میں نے جو لیں اس کی بہت رانوں میں
تب وہ کہنے لگے دے دے مجھے گالی خاصی

جاؤ جی جاؤ چلے۔ بیٹھو نہ چھیڑو مجھ کو
واچھیڑے خوب نئی چال نکالی خاصی

آئی گلزار کے مرے روبرو جس وقت بسنت
تان اڑنے لگی اور ہاتھوں کی تالی خاصی

کیتکی جوہی و چمپا و چنبیلی نرگس
آگیاں مجرے کو بن بن کے نرالی خاصی

چٹکیاں غنچے بجانے لگے اور بلبل بھی
گٹکری لینے لگی بر سر ڈالی خاصی

فیض سے حضرت استاد کے توٹلے یہ رفیق
واچھیڑے خوب غزل زور نکالی خاصی

رونق تخلص، نام ان کا معلوم نہ ہوا کہ کیا تھا یہ ان سے ہے۔

سبو در دست محفل میں مرا جوں بادہ نوش آیا
خرد پروردہ لایعقل ہوئے مستوں کو ہوش آیا

نہ رکھ زلفوں کو اے سنبل تو اپنی پائیداری سے
اٹھا کر دیکھ سر اودھر کہ وہ کاکل بہ دوش آیا

مرے خونی کفن کا رنگ رفتہ پھر ہوا پیدا
پس از مدت جو میری خاک پر وہ سرخ پوش آیا

خدارا اے دل بیتاب اک ساعت شکیبا ہو
یقیں ہے مجھ کو اب وہ قاصد فرخ سروش آیا

مرا نقد دل نہ دیں اس کا بیعانہ ہے اے ناصح
خراماں اپنے در تک جس گھڑی وہ خود فروش آیا

شب اک مطرب پسر باچنگ یہ مصرع نواز سے تھا
مبارکباد میخوارو کہ وقت نائے و نوش آیا

کہا اس نے کہ میں سیلاب ساں ہر سمت پھرتا ہوں
ادھر بھی آن نکلا ہوں جو اپنے دل میں جوش آیا

کہا رونق کو کل دیکھ اس خریدار دل و دیں نے
کہ کہہ اس وقت تو کیدھر سے اے تقوی فروش آیا

تو ہی انصاف کر اے زلف سیہ فام بھلا — مجھ کو آزادی بھلی یا کہ ہے یہ دام بھلا

عشق میں پہلے ہی بدنام ہوئے ہم یا رب — کس طرح ہوگا اس آغاز کا انجام بھلا

اے بتاں تم میں نہ الفت نہ مروت نہ کرم — منصفی یہ ہے کہ اس کفر سے اسلام بھلا

ساغر مہر سے مے کب تجھے حاصل ہو فلک — اس ترے کاسۂ زریں سے مرا جام بھلا

رونق بوالہوس اب کہہ کہ کریگا کیا تو
نہ تو موسم ہے خوش اسلوب نہ ایام بھلا

تا بکے ضبط فغاں آہ مجھے تاب نہیں — ناصحا صبر کی واللہ مجھے تاب نہیں

دل کے یاں ٹکڑے نہ ہو ویں کبھی مانند کتاں — بس تری دید کی واللہ مجھے تاب نہیں

صفحۂ دل سے مٹا دے مرے تمثال بتاں — بت پرستی کی اب اللہ مجھے تاب نہیں

حوصلہ تنگ ہے یاں بیہودہ گوئی تا چند — بس زباں کیجیئے کوتاہ مجھے تاب نہیں

آگ لگتی ہے مجھے دیکھ کے غیروں میں تجھے — کیا کروں اے بت دلخواہ مجھے تاب نہیں

ہمنشیں چاہ میں یوسف جو پھنسا ہائے غضب — اڑے دنیا سے کہیں چاہ مجھے تاب نہیں

جی ہی کھویا غم پروانہ میں روتے روتے — آہ اے شمع سحر گاہ مجھے تاب نہیں

امتحاں سے ترے کیونکر میں بر آؤں گا ضعیف — رحم کر بس مرے اللہ مجھے تاب نہیں

غم ہجراں سے ہوئی رونق بیدل کو نجات
آ گئے غمخواری کی یا شاہ مجھے تاب نہیں

لسا تسیح تخلص، نام ان کا معلوم نہ ہوا کہ کیا تھا۔ یہ ان سے ہے۔

نگراں کبھو نہ یہ جانبیا رخ دلفریب پری رہی
مری چشم مندنے کے وقت تک تری محو جلوہ گری رہی

پس مرگ جسم نزار کا لہو خشک ہو گیا سب ولے
وہی خوں رہا دل خوں شدہ وہی چشم کی یہ تری رہی

تمہیں گل کی جس نے بنایا یو کہا ان نے مجھ کو صبا ہو تو
وہاں تم تو پردہ نشیں ہے، مجھے آہ دربدری رہی

مرے پاس جنس ہنر تو تھی ولے بود و باش تھی میری واں
کہ متاع بیش بہا سدا جہاں جنس بے ہنری رہی

نہیں ہوش والوں پہ کچھ حسد مجھے رشک ہے تو انھوں پہ ہے
جنہیں تیرے جلوے کے سامنے مری طرح بیخبری رہی

یہ عجب ہے آخر عاشقی کبھی ہوش ہے کبھی رفتگی
نہ وہ گریۂ دل شب رہا نہ وہ زاری سحری رہی

جگر اور دل سبھی رکھتے تھے ولے ہو سکا نہ کوئی طرف
ہدف اس کی ناوک ظلم کی یہ مری ہی بے جگری رہی

مجھے سونپ کر غم ہجر وے ہوئے یوں جدا کہ پھر نہ ملے
مرے دل میں تا دم واپسیں وہ امانت ان کی دھری رہی

نہ تھی چشم رُخ خستہ دل کبھو خالی اشک سے دوستاں
شب و روز جام پُر آب کی روش آنسوؤں سے بھری رہی

رسوا۔ تخلص، نام ان کا معلوم نہ ہوا کہ کیا تھا۔ یہ ان سے ہے۔

ہر گلی کوچہ میں دل کرتا ہے غوغا بے طرح
جوش میں آیا ہے اب کے سال دریا بے طرح

حال اس کافر کا کیا تو مجھ سے پوچھے ہے عزیز
کل تو اس کا حال ایسا میں نے دیکھا بے طرح

خاک بر سر خار در پا دربدر اور کو بکو
وصل تیرے کے لئے ٹھہرا ہے رونا بے طرح

کچھ بھی اس دیوانہ اوپر تجھ کو اب آتا ہے رحم
دل میں اس کے کھپ گیا ہے عشق تیرا بے طرح

اب خدا حافظ ہے اس وحشت زدے کا ان دنوں
ہو گیا ہے عشق کے ہاتھوں سے رسوا بے طرح

راسخ تخلص، نام طالب حسین۔ یہ ان سے ہے۔

یاد ایّام کہ تھا میکدہ مسکن اپنا ۔ رہن تھا مے کے عوض پیرہن تن اپنا
یہ ادا دیکھو مری خاک پہ برسوں کے بعد ۔ نے جو آئے تو اٹھاتے ہوئے دامن اپنا
جی میں آتا ہے دکھاویں کوئی بجھتا سا چراغ ۔ ان پہ احوال زبوں کچھ تو ہو روشن اپنا
دوستی بندہ کو صاحب نہیں ساتھ اپنے اب ۔ تم جو دشمن ہو مرے میں بھی ہوں دشمن اپنا
چھاتی ٹھنڈی ہوتی تب جسم کی جب آہ ہوا ۔ کثرت داغ سے دل غیرت گلشن اپنا
مرد ہے تو تو نہ کھا کوئی دنیا کا فریب ۔ گو دکھایا کرے یہ فاحشہ جوبن اپنا

اپنے مطلوب کا راسخ نہ نشاں ہے نہ مکاں
نہیں اس واسطے گھر کوئی معین اپنا

آنند تخلص، نام رائے کھیم نارائن۔ مہاراجہ بھی نارائن کے پوتے۔ عمدۂ روزگار رہے۔ دلی کے رہنے والے۔ اور اب ہوگلی تشریف رکھتے ہیں اور یہ خاکسار بھی چھوٹا بھائی انہیں کا ہے۔ یہ کلام ان کا ہے۔

آتشیں اشک سے اب دیدۂ تر جلتے ہیں ۔ دیکھ یو مردم آبی کے بھی گھر جلتے ہیں
دہن چاہ سے نکلے ہے جو دھواں اٹھتا ہے ۔ کون یاں زیر زمیں تفتہ جگر جلتے ہیں

آدمی زاد کو کیا تاب کرے دعویٰ عشق — اس کے در پر تو فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں
ماہ کو داغ ہے اور مہر کو ہے سوزش رشک — اور جلنے دے تجھے دیکھ اگر جلتے ہیں
خانۂ غیر کو روشن نہ کر اے شمع عذار — دشمن اب خوش ہیں یہ اپنوں کے جگر جلتے ہیں
آدمی عشق کے شعلے سے کہاں ہے ایمن — اس کے وادی میں جو دیکھو تو شجر جلتے ہیں

رند کا شعر ہے احباب کی مجلس کا چراغ
زاہد خشک اسے سن کے مگر جلتے ہیں

باغباں ہنسنے نہیں دیتا ہے اک دم گل کے ساتھ
کیجئے اب گرم صحبت نالہ بلبل کے ساتھ

دم نکلتا ہے صراحی کا تری گردن کو دیکھ
ہچکیاں لے لے کے آخر ہو چلی قلقل کے ساتھ

ہے پریشاں یار کی احباب کو پُستی ضرور
جعد نے باندھی گرہ اس عہد کی کاکل کے سا[ٿھ]

ہے فقط سنبل میں خوشبو زلف ہے دام بلا
کچھ سر مو زلف کو نسبت نہیں سنبل کے سا[ٿھ]

حضرت غم خوب اب پیتے ہو تم خون جگر
دل بھی حاضر ہے گزک کیجئے اسے اس مل کے س[اتھ]

شور محشر سر پہ ہے آرام کیونکر کیجئے
کیا قیامت ہے اچٹ جاوے جو نیند اس غل کے ساتھ
شہسوار اب کوئی چڑھتا نہیں نگاہ رند میں
غاشیہ لے حب سے دوڑا صاحب دلدل کے ساتھ

متاع دین و دنیا موج عشق نے ڈوبی
یہ سیل اشک جو بستی تھی وار اور پار سے ڈوبی
کوئے سے کام کیا تھا اسے عزیز و ماہ کنعاں کو
زلیخا کی محبت کی کشش اکبار سے ڈوبی
گذرتا کس لئے آب اسیری فرق بلبل سے
اسے گل کی محبت ہو گلے کا ہار سے ڈوبی
زلیخا باولی بن لہریں غم کے یہ کہتی تھی
عزیز و حیاہ مجھ کو بر سر بازار سے ڈوبی
شب فرقت میں تنہا بیٹھ کر اس طرح سے روئے
کہ سیل اشک اپنی تا در و دیوار سے ڈوبی
سزا دی ناخدا ترسوں کو بارے کشتی مئے نے
کہ شیخ و محتسب کا جبہ و دستار سے ڈوبی
نہ چھوڑا رند اور زاہد کو امواج محبت نے
جدھر یہ سیل اٹھی مست اور ہشیار سے ڈوبی

آہ جانسوزاں دلوں از بسکہ سیر آہنگ ہے وسعت صحرائے عالم اب تو دل پر تنگ ہے
زخمۂ حسرت کا رہتا ہو نہیں دل پر خراش اب رگ جاں ہر نفس غیرت فزائے چنگ ہے
سچ کہہ اے پیر طریقت کس طرف کو جائیں ہم کوئے دلبر دو قدم اور کعبہ سو فرسنگ ہے
ہم تنک ظرفوں کو طاقت جور کی ظالم کہاں یاں نگاہ گرم بہر شیشۂ دل سنگ ہے
شیخ تو داڑھی منڈا بیٹھا ہے گھر میں منہ چھپا ہم بھی سمجھے واہ وا مونچھوں پہ تیرے رنگ ہے

رشتہ تسبیح اور زنار دونوں ایک ہیں
رند اور زاہد کو بے سر رشتہ ناحق جنگ ہے

عاشق کو ملنے دلنے میں کب اس کو کل پڑے تیں کی کمر میں سانس کے لینے سے بل پڑے
گر برگ گل رکھو تہ توشک بہ امتحاں واللہ سسکی بھر کے وہ کافر اچھل پڑے
گاؤ زمیں کی پشت سے گذرے بزیر ناف نخچیر گہ میں تیغ تری گر اگل پڑے
دل تو دیا یہ ڈر ہے کہ وہ طفل تند خو ایسا نہ ہو کہ جان کی خاطر مچل پڑے
ہم سے جو آنکھ پھیری تو واللہ دیکھیو پل مارنے میں اشک کی مانند ڈھل پڑے
مارا ہی جائے گا مرے ہاتھوں سے اے رقیب غصہ میں آگئے وہ ہاتھ کسی دن جو چل پڑے
اے ابر موج اشک میں تجھ کو ڈوبائیں گے گر میری آنکھ سے کبھو آنسو نکل پڑے
اے دل نہ کیجیو جان کا مرے تو زینہار ایسا نہ ہو کہ عہد وفا میں خلل پڑے
اے شمع رو یہ موم دلی قہر ہے کہ تم غیروں کی دیکھ گرمی صحبت پگھل پڑے

روز حساب شام فلک میں ہوں اور یار گر میرے اس کے شکوے کا دفتر نکل پڑے
اٹھے تھے رقص کرنے کو ہو مست شیخ جی
دیکھا جو رند کو تو خجل ہو سنبھل پڑے

ایک دم مثل شرر یہ ہستی موہوم ہے وائے غفلت اس پہ یہ حرص و ہوا کی دھوم ہے
ایک دم کی آنچ میں بے بود ہے ساری نمود زندگانی اپنی جوں نقش نگین موم ہے
ق
کل کہا میں دل سے چل کر سیر گلشن کیجیے خاطر محزوں بسان غنچہ اب مغموم ہے
ناگہاں حسرت یہ بولی تجھ کو ہے یہ کیا خیال گل کہاں غنچہ کہاں کچھ بھی تجھے معلوم ہے
گلشن عالم کو کر با دیدۂ عبرت نگاہ گاہ جائے بلبلاں گہ آشیان بوم ہے
صاحبان باغ کے غم سے ہے سینہ گل کا چاک داغ لالے کا بیاد دہر دل مظلوم ہے
جانتے ہیں یہ کہ ہم نکلے ہیں جن کی خاک سے کوئی شاہ ہند کوئی حکمران روم ہے
خندہ زن تھا جو مثال گل چمن کے تخت پر سو بسان ریخ سیر باغ سے محروم ہے
رنج و کلفت بن نہیں کچھ نخل عالم کا ثمر
رند اب خاموش ہو دانا کو سب مفہوم ہے

کل جو ہم یار کی شمشیر تلے بیٹھ گئے وہ بہت ٹال رہے ہم نہ ٹلے بیٹھ گئے
ہم اٹھے یار کے در پر سے وہ سو سو بار صید مجروح کی مانند چلے بیٹھ گئے
گلشن دہر میں دو روز عبث آن کے ہم سرو کی طرح نہ پھولے نہ پھلے بیٹھ گئے

اب ہوا مجمع اغیار سنو حضرت دل — اُٹھ چلو آن کے یاں تم بھی بھلے بیٹھ گئے

وے تو کب خوش تھی کہ قربان ہوں ہم عید کے روز — ہم بھی گھبرا کے نہ آئے نہ ملے بیٹھ گئے

قیس و فرہاد سے اے رند ملے ہم کل رات

روئے یاں تک گلے مل مل کہ گلے بیٹھ گئے

قطعہ

کل کہا میں نے میرے گھر چلئے — اس میں کچھ نہ ہو گی محجوبی

سن کے تیور بدل لگا کہنے — راہ و رسم ادب تو سب ڈوبی

مجھ سے کہتا ہے میرے گھر چلئے — دیکھئے اختلاط کی خوبی

زے کے باب میں

زارؔ تخلص، نام میر جیون۔ اصل ان کی کشمیر سے ہے پر وہ دلی میں پیدا ہوئے۔ یہ ان سے ہے۔

مخمس

بھاتی نہیں یہ دوستی اے دوستاں مجھے سوجھے ہے آخر اپنا بھی سود و زیاں سب مجھے
گر زیست میری چاہو تو پہنے دو یاں مجھے لے جاؤ گے تم اس گلی سے جہاں مجھے
آرام جو یہاں ہے نہ ہوگا وہاں مجھے

موجود اپنے واسطے ہوتا اگر ارم اور ساتھ اس کے ہوتا میسر بھی جام جم
اے جان اس کو جانیو سچ تیری ہی قسم لگتا تھا کس کا دل جو نہ ہوتا ترا قدم
آتا ہے تیرے ہونے سے خوش یہ جہاں مجھے

گلشن میں گو ہزار تماشے ہوں اب عجیب اور سیر بھی ہے خوب یہ ہوں میں تو بدنصیب

تو شاد ہو کہ تجھ کو ملے گا ترا حبیب　　　فصل بہار تجھ کو مبارک ہو عندلیب

بن یار ایک سی ہے بہار و خزاں مجھے

ملنا تھا یہ بھی کوئی کہ ملتے ہی پھر چلا　　　اس وصل و ہجر سے تو بہت میرا دل جلا

اے گردش فلک تو مجھے اتنا تو بتا　　　پھر اب جدا کرے ہے مجھے اس سے کیا بھلا

ٹک بھی نہ دے گا چین کبھی آسماں مجھے

رکھتے نہیں ہیں اشک کی حرمت کو اہل عیش　　　بے آبرو نہ کیے دوڑیں نہ عزت کو اہل عیش

پہنچے نہیں ہیں غم کی حلاوت کو اہل عیش　　　کیا جانیں میرے رونے کی لذت کو اہل عیش

بھاتا ہے یار و جیب سے یہ آب رواں مجھے

کہتا ہے تو کہ ملنا ہے اس یار سے زبوں　　　اور میں بھی جانتا ہوں یہ مجبور اس میں ہوں

جاؤں نہ اس کے پاس جو ہر دم تو کیا کروں　　　بن دیکھے اس کے ایک بھی دم آہ رہ سکوں

اتنی تو ناصحا نہیں تاب و تواں مجھے

ہے بی بی نی نام جو اپنے نگار کا　　　تحفہ بنا یا اپنے تئیں روزگار کا

ویسے ہی ڈر ہے مجھ کو بھی اس اشتہار کا　　　رہتے نہیں ہیں ذکر کیے بن تو یار کا

رسوا کرے گی زار یہ تیری زباں مجھے

سین کے باب میں

سلیمان تخلص، مرشد زادہ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ۔ اب لکھنو میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہ ارشاد خاص ہے۔

ہم تو کب آپ تلک آپ سے آ سکتے ہیں — آپ چاہیں تو ہمیں پل میں بلا سکتے ہیں
جبہ سائی کا نشاں جائے جبیں سے کیونکر — کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں
دھار ہے بحر محبت کی سر دہی کی سی — بوالہوس اس میں کوئی سر کو بہا سکتے ہیں
اپنے مکھڑے پہ دوشالا وہ کریں گے تا چند — کوئی خورشید کو پردے میں چھپا سکتے ہیں
تاج و تخت اپنے سلیمان کو یا شاہ نجف
آپ چاہیں تو ابھی پل میں دلا سکتے ہیں

سکندر تخلص، مرثیہ بھی کہتے تھے اور شاگرد میاں ناجی کے۔ اور قصہ خوانی

میں طاق تھے۔ یہ ان سے ہے۔

کبھی فرقت میں شب کو آنکھ میری گر جھپکتی ہے
اسی دم رخ کو چہ میں ترے جا کر بھٹکتی ہے

سحر گلزار چمن سے کون سا خورشید رو یا رب
کہ شبنم گل کے منہ پر اب تلک پانی چھڑکتی ہے

مبادا آگ لگ جاوے مرے دل کی ترے دل کو
گلے لگتے سے اس دل سوز کے چھاتی دھڑکتی ہے

کرے گی مجھ کو دیوانہ سکندر یا کہ متوالا
پری کی طرح صہبا پردۂ مینا سے لگتی ہے

سایہ تخلص، نام سلیم۔ دلّی کے رہنے والے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

اس بیوفا کے عشق میں کچھ ہم کو حس نہیں
پاؤں تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں

کیا کیا گلہ کہوں گا ترا میں فلک سے ہائے
چاہوں کہ جل مروں تو کہیں خار و خس نہیں

کیا کیا گذرتی ہوں گی انہوں کو قفس کے بیچ
جن بلبلوں کا ہائے کوئی داد رس نہیں

ہر چند مثل سایہ کیا میں نے سینہ چاک
تب بھی صنم کے زلف تلک دسترس نہیں

سراج تخلص، نام مرزا سراج الدین اورنگ آباد کے

رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

خبر تحیر عشق سن نہ تو جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

شہ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

نظر تغافل یار کا گلہ کس زباں سے بیاں کروں
کہ شراب صد قدح آرزو خم دل میں تھی سو بھری رہی

وہ عجیب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخہ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق میں جو دھری تھی وو نہیں دھری رہی

ترے جوش حیرت حسن کا اثر اس قدر سے یہاں ہوا
نہ تو آئینہ میں جلا رہی نہ پری میں جلوہ گری رہی

کیا خاک آتش عشق نے دل بینوائے سراج کو
نہ خطر رہا نہ حذر رہا مگر ایک بے خطری رہی

سلطان تخلص، نام ان کا معلوم نہ ہوا کہ کیا تھا۔ یہ ان سے ہے۔

ہمارے نام سے جب اس کو آہ تنگ لگے — قبائے زندگی کیونکر نہ بر میں تنگ لگے
کیا ہے قتل مجھے خون ہاتھ سے دھو ڈال — حنا کی طرح مبادا کہیں نہ رنگ لگے
بھلا کہیں ہے یہ انصاف اے کمان ابرو — کہ ہم تمہارے رہیں غیروں سے خدنگ لگے
ذری سی ٹھیس سے ہو جائے پرزے پرزے دل — بھلا وہ کیونکے بچے جس کو ایسا سنگ لگے
یقین ہے مجھے جیتا نہ پاوے گا ہر گز — گر اب کی بار اے قاصد تجھے درنگ لگے

بچے گا کس طرح سلطاں تری محبت میں
خدا نخواستہ گر عشق کا خدنگ لگے

سودا تخلص، نام میرزا رفیع - میرزا شفیع کابلی کے بیٹے سخن گوئی میں شہرہ آفاق تھے - یہ ان سے ہے -

قاصد اشک آکے خبر کر گیا — قتل کوئی دل کا نگر کر گیا
دیکھئے واماندگی اب کیا دکھائے — قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
فائدہ اب کیا کرے، تریاق وصل — زہر غم ہجر اثر کر گیا
گریہ تحمل کر نہ کہ ناصح ابھی — پاک مرا دیدہ تر کر گیا

سیر کی یوں کوچہ ہستی کی ہم — نے میں سے یوں نالہ گذر کر گیا
کیونکے تو کھائے کوئی اب فریب — حال مرا سب کو خبر کر گیا
رات ملا تھا مجھے تیرا رقیب — یاد خدا ہی کا میں ڈر کر گیا
جا ہی پھرا بچ صف مژگان یار — دل تو مرا زور جگر کر گیا

فیض ترے وصف بناگوش کا
حرف کو سودا کے گہر کر گیا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا — کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
سرگرم نالہ ان دنوں میں بھی ہوں عندلیب — مت آشیاں چمن میں مرے متصل بنا
جب تیشہ کوہکن نے لیا ہاتھ تب یہ عشق — بولا کہ اپنی چھاتی پہ دھرنے کو سل بنا
جس تیرگی سے روز ہے عشاق کا سیاہ — شاید اسی سے چہرہ خوباں پہ تل بنا
لب زندگی میں کب ملے اس لب سے اے کلال — ساغر ہماری خاک کو مت کر کے گل بنا
اپنا ہنر دکھاویں گے ہم تجھ کو شیشہ گر — ٹوٹا ہوا کسی کا اگر ہم سے دل بنا

سن سن کے عرض حال مرا یار نے کہا
سودا نہ باتیں بیٹھ کے یاں متصل بنا

زخم کا دل کے تر و تازہ ہے انگور سدا — جاری رہتا ہے مری چشم کا ناسور سدا
جس کی ہم تیغ نگہ سے ہوئے گھائل یارب — چشم زخم اس سے زمانے کا رہے دور سدا

ہے انہیں شوق کسو دل کے لہو پینے کا | دیکھتا ہوں تری آنکھوں کو میں مخمور سدا
گو نہ دے شیشۂ گردوں مئے گلرنگ مجھے | خون دل سے تو مرا جام ہے معمور سدا
یار کی دیکھے تجلی جو تو موسیٰ کی طرح | سنگ رہ سے ترے نکلے شرر طور سدا
ایک شب آ کوئی دل سوز نہ رویا اس پر | شمع بھی گور ہماری سے جلی دور سدا

دوستو سنتے ہو سودا کا خدا حافظ ہے
عشق کے ہاتھ سے رہتا ہے یہ رنجور سدا

ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست | پوجوں میں اس کسی کو جو ہو آشنا پرست
اس دور میں گئی ہے مروت کی آنکھ پھوٹ | معدوم ہے جہاں میں چشم حیا پرست
دیکھا ہے جب سے رنگ کفک تیرے پاؤں میں | آتش کو چھوڑ گبر ہوئے ہیں حنا پرست
چاہے کہ عکس دوست رہے تجھ میں جلوہ گر | آئینہ وار دل کو رکھ اپنے خدا پرست
آوارگی سے خوش ہوں میں اتنا کہ بعد مرگ | ہر ذرہ میری خاک کا ہووے ہوا پرست

سودا سے شخص کے تئیں آزردہ کیجیے
اے خود پرست حیف نہیں تو وفا پرست

کھینچ شمشیر جاہ دل کے نکال | آج در پر ترے پڑا ہوں نڈھال
پان کھا کھا کے آرسی کے بیچ | اپنے ہونٹھوں کو دیکھتا ہے لال
اس کی قامت کو صحن گلشن میں | ہو گئے سرو دیکھتے ہی نہال

لے مرے دل کو دے کے اپنا دل   سنگ کے مول یہ بکے ہے لال
واہ وا لے تماکو والے کے   دے ہے توڑ ہا ہمیں کھا کر گال

میوۂ نخل امید سے سودا
جتنا چاہے تو کھا یہ توڑ نہ ڈال

غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے کام
مدعا ہم کو تو ساقی سے ہے اور جام سے کام
دل نالاں کو مرے کس کے ہے آرام سے کام
کوئی بے چین رہو اپنے اسے کام سے کام
کیوں نہ افعی چلے ہر ایک جگہ مکڑا کر
نہ پڑا اس کو تری ذات سیہ فام سے کام
ہوں اسیر اس کا جسے بعد گرفتاری صید
نہ گرفتار سے مطلب رہے نہ دام سے کام
گر اکیلا کہیں مل جائے ہمیں تو دل کا
لیجیے من مانتا اس شوخ گل اندام سے کام
جو میں آغاز ترے کام کا دیکھا سودا
وائے وہ دن کہ تجھے اس کے ہو انجام سے کام

بلبل چمن میں کس کی ہیں یہ بدشرابیاں
پھوٹی پڑیں ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

تجھ منہ پہ تا نثار کریں مہر و ماہ کی
لبریز سیم و زر سے ہیں دونوں رکابیاں

صیاد کہہ تو کن نے کبوتر کو دام میں
سکھلا دیا ہیں دل کی مرے اضطرابیاں

افیون میں گر ملا کے تو زاہد پیئے شراب
مصری کی دیں منگا کے تجھے ہم گلابیاں

فرہاد و قیس یوں گئے سودا کا ہے یہ حال
کیا کیا کیا ہیں عشق نے خانہ خرابیاں

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

جسے پوچھا کہ دل خوش ہے کہیں دنیا میں
رو دیا ان نے اور اتنا ہی کہا کہتے ہیں

محتسب نے کسی میخانہ میں جا اے زاہد
ایک شیشہ کو بھی ثابت نہ رکھا کہتے ہیں

تو تو اس معنی سے کیا شاد ہوا ہووے گا
پوچھئے اہل دلوں سے کہ وہ کیا کہتے ہیں

جھڑکی تو مدتوں سے مساوات ہو گئی
گالی کبھی نہ دی تھی سو اب بات ہو گئی

باقی ہے مار کھانا سو اب آ گئے آجکل
سن لو گے تم اسے بھی کہ اوقات ہو گئی

اب تو میں چھوڑنے کا نہیں اس کو ناصحا
ہونی جو کچھ تھی قبلہ حاجات ہو گئی

بس اب ستم سے درگزر اے یار تا کجا
اعمال دل جلے کی مکافات ہو گئی

پیغام بر نے دیر لگائی تو ہے وہ لے
دھڑکے ہے دل کہ یوں تو کہیں رات ہو گئی

مستی سے اس نگاہ کی اے محتسب خبر — دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی
ملنا ترا ہر ایک سے میں کیا کروں بیاں — عالم سے مجھ کو ترک ملاقات ہو گئی
یار وہ شرم سے جو نہ بولا تو کیا ہوا — نظروں میں سو طرح کی حکایات ہو گئی

سودا کسی کو وہ تو ستاوے نہ بے سبب
کیا جانئے کہ تجھ سے ہے کیا بات ہو گئی

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے — اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے
قاتل ہماری نعش کو تشہیر ہے ضرور — آئندہ تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے
اتنا لکھا ئیو مری لوح مزار پر — یاں تک نہ ذی حیات کو کوئی خفا کرے
بلبل کو خون گل میں لٹایا کروں سبھے — نالے کی گر چمن میں تو رخصت دیا کرے
فکر معاش و عشق بتاں یاد رفتگاں — اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
عالم کے بیچ پھر نہ رہے رسم عاشقی — گر نیم لب کوئی ترے شکوے سے وا کرے
گر ہو شراب و خلوت و محبوب و خوبرو — زاہد تجھے قسم ہے کہ تو ہو تو کیا کرے
تعلیم گریہ دوں اگر ابر بہار کو — جز لخت دل صدف میں نہ گوہر ہوا کرے

تنہا نہ روز ہجر ہی سودا یہ ہے ستم
پروانہ ساں وصال کی ہر شب جلا کرے

قطعہ

اک روز سیر گور غریباں کو میں گیا — یعنی وہاں غریبوں کا اکثر مزار ہے

دیکھا کہ ایک گور پہ نرگس ہے سرنگوں | میں پوچھا اس سے اتنا تو کیوں شرمسار ہے
اس نے کہا عزیز تو نرگس مجھے نہ جان | انکھیاں ہوں میں اسی کی یہ جس کا مزار ہے
عاشق تھا ایک کافر بے رحم پر یہ شخص | اب تک اسی کا اس کے تئیں انتظار ہے

سودا اب مجھے یقیں ہوا تب سے کہ آہ
عاشق کو بعد مرنے کے بھی انتظار ہے

سوز تخلص، نام محمد میر اسّی برس کے ہو کے تلہر میں وفات پائی۔ یہ

ان سے ہے۔

یہ تیرا عشق کب تک آشنا تھا | کہاں کا جان کو میری دھرا تھا
وہ ساعت کون سی تھی الہٰی | کہ جس ساعت دوچار اس سے ہوا تھا
میں کاش اس وقت آنکھیں موند لیتا | خداوندا میں کیوں عاشق ہوا تھا
میں اپنے دل کو اپنے ہاتھ کھویا | یہ میرا دیکھنا مجھ پر بلا تھا
نہ لے کیا آن تھی اللہ اللہ | کہ جس ساعت وہ سینہ پر چڑھا تھا
وہ مجھ کو ذبح کرتا تھا چھری سے | میں اس کی تیز دستی تک رہا تھا

خدا تھا اور میں تھا اور وہ تھا
و لیکن سوز پہلو میں کھڑا تھا

دل کے ہاتھوں نپٹ خراب ہوا　　جل گیا بھن گیا کباب ہوا
اشک آنکھوں سے پل نہیں تھمتا　　کیا بلا دل ہی دل میں آب ہوا
جن کو نت دیکھتے تھے اب ان کو　　دیکھنا بھی خیال و خواب ہوا
یار اغیار ہو گئے اللہ　　کیا زمانے کا انقلاب ہوا

سوز کچھ منہ بنائے آتا ہے
آج مجرے کو پھر جواب ہوا

اے مرے دل تو کیوں پڑا ہے نڈھال　　آنکھ تو کھول دیکھ میرے لال
کیوں ہوا ہے کسی پہ تو عاشق　　نہ مرے لعل مت لے یہ جنجال
بے وفا ہیں جہان کے معشوق　　بے مروت ہیں یہ حمیدہ خصال
پہلے تو چھین لیتے ہیں دل کو　　بعد ازاں جان کا کرے ہیں سوال

یہ تو آیا ہے اب خدا حافظ
مرحبا مرحبا تعال تعال

کوچہ یار میں ہر ایک کو جانا مشکل
جیتے جی واں سے ہے رستم کو پھر آنا مشکل
بے گنہ قتل کئے جن نے ہزاروں مجھ سے
ایسے قاتل سے دل و جان بچانا مشکل

یار کے پاس میں کس طرح سے بھیجوں قاصد
پہنچنا واں تلک آسان پھر آنا مشکل
سوز اگر اپنے تئیں بھولے تو بھولے لیکن
تیری تصویر کو ہے دل سے بھلانا مشکل

ہوا کس سنگدل کا مبتلا دل ‏ ‏ ‏ کدھر گم ہو گیا یارب مرا دل
ملا جا آپ تنہا مجھ کو چھوڑا ‏ ‏ ‏ یوں نہیں ہوتا ہے دنیا میں بھلا دل
نہیں اب اس زمانے میں کچھ امید ‏ ‏ ‏ میں کہتا تھا اسے یہ ہے مرا دل
سو مجھ سے ایک دم ملتا نہیں آہ ‏ ‏ ‏ بھلا دل آفریں دل مرحبا دل
گیا قاتل کے سینہ سپر کر
نہ صاحب سوز کا بھی ہے بڑا دل

کھپ گیا حسن یار آنکھوں میں ‏ ‏ ‏ کیا ہی پھولی بہار آنکھوں میں
تو نہ جا یار ورنہ آوے گا ‏ ‏ ‏ گریہ بے اختیار آنکھوں میں
ایک دو ہو تو کوئی اس کو گنے ‏ ‏ ‏ کیا کروں میں شمار آنکھوں میں
کٹ گئیں انتظار کی راتیں ‏ ‏ ‏ ایک دو تین چار آنکھوں میں
بزم خوبان میں سوز جا نکلا ق ‏ ‏ ‏ یار سے ہو دو چار آنکھوں میں
کی اشارت کہ میں کہاں بیٹھوں
بول اٹھی چشم یار آنکھوں میں

شہد میں جیسے مگس ہم حرص کے پابند ہیں
وائے غفلت اس سیہ زنداں میں یوں خورسند ہیں
رزق کا ضامن خدا شاہد کلام اللہ ہے
تس پر اپنی صورتوں کے روز حاجتمند ہیں
مقبروں میں دیکھتے ہیں اپنی ان آنکھوں سے روز
یہ برادر یہ پدر یہ خویش یہ فرزند ہیں
تو بھی رعنائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ہیں یار
سوجھتا اتنا نہیں ہم خاک کے پیوند ہیں
جب تلک آنکھیں کھلی ہیں دُکھ یہ دکھ دیکھے گا یار
مند گئیں جب انکھڑیاں تب سو زسب آنند ہیں

مری جان جاتی ہے یارو سنبھالو — کلیجے میں کانٹا گڑا ہے نکالو
نہ بھائی مجھے زندگانی نہ بھائی — مجھے مار ڈالو مجھے مار ڈالو
خدا کے لئے اے مرے ہم نشینو — یہ بانکا جو جاتا ہے اس کو بلا لو
اگر وہ نہ آوے تمہارے کہے سے — تو منت کرو گھیرے بلا لو
اگر کچھ خفا ہو کے وہ گالیاں دے — تو دم کھا رہو کچھ نہ بولو نہ چالو

کہو ایک بندہ تمہارا مرے ہے — اُسے جاں کنی سے تو جا کر بچا لو

جلوں کی بُری آہ ہوتی ہے پیارے

تم اس سوز کی اپنے حق میں دعا لو

پھر بیچارہ کمر دل جلا ہے تو کہاں کو — کھڑا رہ پھونکتا جا آشیاں کو

گرا ہے گا پڑا رہنے دے ظالم — ارے کیا کھینچتا ہے ناتواں کو

تری مژگان و ابرو ہے کفایت — کرے گا لے کے کیا تیر و کماں کو

کہ تیرے خنجر مژگاں نے پیارے — نہ چھوڑا زندہ اک پیر و جواں کو

صبا میری طرف سے آج جا کر — تو کہیو اس مرے نازک میاں کو

خدا کے واسطے نیچے نگہ کر — کوئی روز اور جینے دے جہاں کو

ارے میاں جانے والے میانہ قد کے — ذرا کہہ دیجیو اس پیر مغاں کو

کہ ساقی سوز کو تھوڑا نشہ ہے — پلا ایسا کہ بھولے خانماں کو

تو اپنا جھونپڑا رکھ لے پڑے بس — میں اب راہی ہوا دارالاماں کو

جہاں کے صاحبو صاحب سلامت

نہ جاویں کیا کریں دیکھا جہاں کو

الٰہی خیر کیجیو عشق پھر آنکھیں لڑاتا ہے

ارے کھا گو شکیب و صبر وہ ایدھر ہی آتا ہے

نہ بھائی عشق تم اپنا قدم رنجہ نہ فرماؤ
تمہاری کیا گرہ کا جائے گا یاں جان جاتا ہے

ابھی تشریف بھی لائے نہیں غم آگے بھیجوا یا
یہ غم جاسوس ہے جاروب کش ہے کیا کہاتا ہے

میاں غم میرزا غم میر صاحب غم ادھر دیکھو
میں اپنے عشق کو کیا دس دنوں پر تو ستاتا ہے

کہا اس سے کسی نے تو زبھی اب شعر کہتا ہے
تو کیا کہتا ہے ہاں وہ بت بنا باتیں بناتا ہے

سوال بوسہ جب اس دل ربا سے میں نے ڈالا ہے
تو جھنجھلا کر لگا کہنے کہ تو کتنا رذالا ہے

ہزاروں خوبرو دیکھے ہیں اور دیکھیں گے عالم میں
ولیکن اس کے مکھڑے کا تو عالم ہی نرالا ہے

نہ کھاوے چاند کیونکر داغ دیکھو ماہ سے منہ پر
خط مشکیں کا کتنا خوب صورت گرد ہالا ہے

دیا تھا میں نے دل اس بیوفا کو ایک بوسہ پر
کئی دن تک تو مانگا پھر جو دیکھا روز ٹالا ہے

کہا اکتا کے دل کو پھیر دے تب یوں دگا کہنے
تقاضے نے ترے ہر دم کے مجھ کو مار ڈالا ہے

پڑا ہوگا کسی کونے میں جا پہچان کر لے لے
مرا دل دو مرا دل دو نیا نخرہ نکالا ہے

ہوا قاضی بھی کل اے سوز قایل اس کے جھگڑے میں
میاں سچ ہے بڑے لوگوں کا سب میں بول بالا ہے

شین کے باب میں

شاد تخلص، نام اللہ یار بیگ۔ قوم مغل۔ شاگرد مصحفی کے یہ ان سے ہے۔

خواب میں بھی گاہے وہ مہ پارہ گر آجائے ہے
کیا ہم آغوشی کو اس کی دل مرا للچائے ہے
نشہ صہبائے عشق مہوشاں جس دل کو ہو
کب نصیحت سے تری اے ناصحا باز آئے ہے
اپنی محفل میں وہ ہرگز بیٹھنے دیتا نہیں
بے قراری کھینچ کر پر وہاں مجھے لے جائے ہے
جو کہ اپنے یار اور غمخوار تھے سو چل بسے
دیکھئے واماندگی کیا شاد کو دکھلائے ہے

شائق تخلص، میاں قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے۔
یہ ان سے ہے۔

کمر شیخ اور برہمن دیر اور کعبہ کو کستے ہیں
رہ دل سے ہیں غافل ورنہ اس میں دونوں رہتے ہیں

تماشا دیکھ کے جراح کے مرہم لگانے کا
ہمارے زخم ٹانکے توڑ کے کھل کھل کے ہنستے ہیں

ذرا تو پیٹ کی اوجھل سے دکھا مکھڑا کہ جی جاویں
یہ تیرے طالب دیدار مدت سے ترستے ہیں

جو ہے کم جان عاشق سے ملیں خوبان ہندستاں
سمجھنا مت گر ان شائق انہیں یہ یوں بھی سستے ہیں

شیدا تخلص، نام مولوی امانت اللہ۔ کلکتہ میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

تیری گلی میں آ کے بہت رو کے ہم چلے
اور ہاتھ تیرے وصل سے اب دھو کے ہم چلے

آئے تھے کچھ کمانے کو بازار عشق میں
پر نقد دل ہی اپنا عبث کھو کے ہم چلے

ٹک بوجھ سیر گلشن ہستی کا کیجیو ہاں اس چمن میں نخل جنوں بو کے ہم چلے
باغ وصال یار میں یا روویں کیا کہوں شبنم مثال ایک سحر سو کے ہم چلے

شیدا پہ یہ جفا و رقیبوں سے یہ وفا
ہو شکوہ مند یار تری خو کے ہم چلے

شہرت تخلص، نام افتخار الدین علی خاں۔ نواب واثق علی خاں کے بھائی۔ اس خاکسار کو ان کی خدمت میں نیاز ہے۔ یہ ان سے ہے۔

غیروں سے خوش رہو اور یاروں سے بیزار چہ خوش
یار ناخوش رہیں اور خوش رہیں اغیار چہ خوش
بیٹھ غیروں میں سدا ہم کو کہو بد کیا خوب
خوبیاں اوروں کی ہم سے کرو اظہار چہ خوش
گھر بلا کر کرو تم غیروں کی عزت صاحب
اپنے بندوں کو رکھو کوچوں میں یوں خوار چہ خوش
مثل گل دیوے جگہ سر پہ تو سب کو شب کو
کھٹکوں اک میں ہی تری آنکھوں میں جوں خار چہ خوش

میں کہا مرتا ہوں اک بوسہ دے صدقے جاؤں
بولا ایں کیا کہا پھر کہیو تو اکبار چہ خوش

چل نچھے دور ہو بیہودہ نہ بک نامعقول
واہ کیا سنیو ذرا خوبیٔ گفتار چہ خوش

مینڈکی کو بھی زکام اب ہوا لو اور سنو
آپ غم اپنا لگے کرنے اب اظہار چہ خوش

دے نہ تکلیف چمن میں رہوں اس گل سے جدا
پھر خوش آوے مجھے شہرت گل و گلزار چہ خوش

حنا بستہ نظر آدیں جو تیری انگلیاں پانچوں
حواس اپنے گنوا بیٹھوں نہ میں کیونکر یہاں پانچوں

سہی اور عبہر و شمشاد و سرو و نازاں جاناں
یہ ہیں یکسر ترے مفتون قد دلستاں پانچوں

نگہ مژگان و ابرو غمزہ عشوہ قتل عاشق کو
ہیں تیر و پیش قبض و ناوک و تیغ و سناں پانچوں

نگاہ ناز سے اک تیر سے تنہا کھو دیئے ہم نے
دل و دنیا و دین و صبر و طاقت رایگاں پانچوں

طبانچہ ہنستے ہنستے شب مجھے وہ مار تو بیٹھا
دلے رویا بہت جب پھوٹ اٹھیں انگلیاں پانچوں
عبث اے فائدہ ناحق نماز کر پڑھ پڑھ کر
نہ دو اے شیخ جی تم وقت اپنے رائگاں پانچوں
اگر دشمن ہزاروں ہوں نہیں خطرہ مجھے گر ہوں
نبی و حیدر و حسنین و زہرا مہرباں پانچوں
یقیں تو جان سودا میر قاسم درد اور شہرت
فصاحت کے ہیں اس میدان میں یہ ہم عناں پانچوں

اس ستے یہ دل کو جلایا ہے کہ جی جانے ہے
کیا کلیجے کو پکایا ہے کہ جی جانے ہے
نگہ ناز سے تک کر مرے دل میں ہے ہے
ایسا اک تیر لگایا ہے کہ جی جانے ہے
دیکھ کر غیر کی محفل میں اسے ہے ہیہے
ہم نے غم رات یہ کھایا ہے کہ جی جانے ہے
یہ قلق دل نے اٹھایا ہے کہ دل سمجھے ہے
ان نے یہ جی کو ستایا ہے کہ جی جانے ہے

یاد قد نے ترے بالیں سے مجھے ساری رات
یہ اٹھایا یہ بٹھایا ہے کہ جی جانے ہے

نالہ ہی اٹھتا ہے دل سے مرے ہر دم اس نے
ایسے کوچے میں بٹھایا ہے کہ جی جانے ہے

عشق کی رہ میں تمہارے مرے جیتے بھی اجی
درد اور دکھ یہ اٹھایا ہے کہ جی جانے ہے

دین کی کچھ مجھ سے نہ پوچھ اس بتِ کافر نے اے شیخ
ایسا اک جلوہ دکھایا ہے کہ جی جانے ہے

جان پر آ ہی بنی شہرت مری میں نے دل کو
ایسے کافر سے لگایا ہے کہ جی جانے ہے

دل و جگر کو داغدار کس نے کیا یار نے
سینہ کو رشک لالہ زار کس نے کیا یار نے

خانہ بخانہ کو بکو روتے جو پھرتے ہیںگے ہم
اتنا ہمیں ذلیل و خوار کس نے کیا یار نے

بیکس و مبتلا و خوار زار و نزار و بیقرار
ہیچ و زبون و بے وقار کس نے کیا یار نے

اشک کو دُرِّ شاہوار چشم کو بحرِ موج دار
دل کو محیطِ موجبار کس نے کیا یار
سینہ جلا کر خاک کر دل کو جگر کو راکھ کر
شعلۂ طور سے دوچار کس نے کیا یار
شہرتِ خستہ دل فگار لالہ کی طرح داغدار
دل کو گرفتۂ غنچہ وار کس نے کیا یار نے

صاد کے باب میں

صفدری تخلص، نام ان کا معلوم نہ ہوا کہ کیا تھا - یہ ان سے ہے -

سبز جامہ بر میں پی کے رنگ بھینا ہے دیکھو
شمع کافوری کو یہ فانوس مینا ہے دیکھو

موتیا راے بیل پھولی ہے گلابی باغ میں
منہ پہ اس گل رو کے جوں شبنم پسینا ہے دیکھو

حسن کے مہمان کی خاطر ہے حاضر حاضری
سبز خط لب کے نمکداں پر پودینا ہے دیکھو

خاتم دست سلیماں ہے پری رو کا دہن
لعل لب کا جس پہ یاقوتی نگینا ہے دیکھو

گر رقیب ہاتھی کے گھس کر پیٹ میں کرتا ہے کام
صفدری حکمت میں یار و شیخ بھیتا ہے دیکھو

ضاد کے باب میں

ضیا تخلص، نام میر ضیاء الدین۔ میر تقی کے شاگرد۔ یہ ان سے ہے۔

پلادے آب خنجر ہم کو قاتل تشنہ جاتے ہیں
جو کوئی مرتا ہے اس کے حلق میں پانی چواتے ہیں

ہے ماتم کس دوانے کا الٰہی آج صحرا میں
کہ سیلیں روتی پھرتی ہیں بگولے خاک اڑاتے ہیں

ضیا رکھ ہاتھ سینہ پر خبر دل کی بھی لے ظالم
کہ آج آنسو تری آنکھوں سے کچھ لوہو سے آتے ہیں

طوکے باب میں

طپشؔ تخلص، نام محمد اسمٰعیل عرف مرزا جان وطن ان کے بزرگوار کا بخارا اور وے کلکتہ میں تھے۔ اب ہندوستان کو تشریف لے گئے۔ ان سے ہے۔

شور و سوز بلبل و پروانہ جب یکجا کیا
تب ہمارا مرغ دل خلاق نے پیدا کیا

مرتے مرتے بھی نہ بالیں پر مرے پھیرا کیا
کیا کیا رے کیا کیا پر تو نے مجھ سے کیا کیا

شمع کو اپنے سے کم تو مت سمجھیو اے پتنگ
اس نے بھی سر بیچ کر ہے عشق کا سودا کیا

جی میں جب گذرا کہ غرق شرم عصیاں ہوجیے
طرفۃ العین آنکھوں نے جاری وہیں دریا کیا

ہے غضب پیکان میں اس کے یہ کیا تاثیر تھی
خون بھی نخچیر کا نخچیر سا تڑپا کیا

منہ سے منہ کل غیر کے اس نے ملایا جس گھڑی
میں نموہا اپنا سا منہ لے کے منہ دیکھا کیا

خواب میں بھی اب خوشی مجھ کو نظر آتی نہیں
عالم رویا میں بھی راتوں کو میں رویا کیا

گدگدی میں اس کا ہنس دینا دلا کر مجھ کو یاد
ناخن غم رات مجھ کو خوب سا چھیڑا کیا

ذات میں جو سرو کی تقلید قامت تھی تری
حضرت خالق نے اس کو خوب سا سیدھا کیا

بوسہ اس کے تل کا لے کے آپ کیا نادم ہوں میں
تل برابر بات کا یاروں نے کیا چرچا کیا

اس مزے کو ہم سمجھتے ہیں یہ کڑوا گھونٹ ہے
کیا ہوا گر لب بلب ہو تو نے منہ میٹھا کیا

چشم باطن سے تو آخر ہے تری رویت ہمیں
پھر بظاہر کس لئے یہ آنکھ کا پردا کیا

دم بدم اس میں ہی میں جاتا ہوں کھویا اے طپش
وہ تو تھا مجھ میں ہی میں کیوں ہر طرف ڈھونڈھا کیا

خاک سے جام کیا جام کو پھر خاک کیا
تو نے کیا کیا نہ کچھ اے گردش افلاک کیا

آج خمیازہ کناں ہم جو چمن سے گذرے
رشک سے دو ہیں ہر اک گل نے جگر چاک کیا

پیٹتے رہتے تھے جس سر کو بُرا جان کے ہم
اس نے خوش ہو کے اسے زینت فتراک کیا

للہ الحمد کہ ان آنکھوں نے رو رو کے یہاں
دامن معصیت آلودہ مرا پاک کیا

جس نے اس گل کو دیا نشو و نما آہ طپش
ہم کو اس صحن چمن میں خس و خاشاک کیا

حق نے ہر چیز کا ہر اک کو سزاوار کیا
ہم کو مظلوم کیا اس کو ستمگار کیا

بعد مرنے کے کھلی ہم پہ حقیقت اپنی
ہم کو اس بے خبری ہی نے خبردار کیا

آپ ہی جاگتے جب سر پہ قیامت ہوتی
کس لئے خواب عدم سے ہمیں بیدار کیا

خاک منہ پر ہی ملے رہتے ہیں آئینہ نمط
عشق نے جب سے ہمیں طالب دیدار کیا

نوک مژگاں پہ سدا لخت جگر کی ہے بہار
ہم نے کس طرح خس و خار کو گلزار کیا

زلف و کاکل ہی کا رہتا ہے ہر اک وقت خیال
کس بلا میں مجھے اس دل نے گرفتار کیا

سچ یہ مشہور ہے محبت کا اثر ہوتا ہے دل بیمار نے اب مجھ کو بھی بیمار کیا
ہم بھی کچھ قید محبت میں گرفتار نہیں حسن نے تجھ کو بھی واں ان کا گرفتار کیا

جم گیا خون جگر نوک مژہ پہ اے طپش
بے طرح دل نے مرا راز یہ اظہار کیا

نت آبلہ دل سے تکلیف اٹھاتا ہوں
لگتا ہے وہیں دکھنے جب ہاتھ لگاتا ہوں

اے شمع سحر ہم تم اک سمت کے عازم ہیں
ہے قصد جدھر تیرا میں بھی وہیں جاتا ہوں

ہر موج صبا مجھ کو حلقہ ہے سلاسل کا
جب باغ میں جاتا ہوں زندان میں جاتا ہوں

معلوم نہیں مجھ کو کیا وہم ہے جو خط میں
جس سطر کو لکھتا ہوں پھر اس کو مٹاتا ہوں

ہوتی تہہ ہے میسر جب ٹک خاک تری رہ کی
کچھ سینہ سے ملتا ہوں کچھ دل میں لگاتا ہوں

گریہ کی تو اب مجھ سے تعلیم لے اے شبنم
میں فرق بہت تجھ میں اور آپ میں پاتا ہوں

یعنی فقط اس غم سے تو آپ ہی رونی ہے
میں آپ بھی روتا ہوں اور سب کو رلاتا ہوں

کوئی مرغ چمن شاید اس باغ میں دلجو ہے
اعجاز اثر حسن کے نالے کا یہ پاتا ہوں

ٹپکے ہیں عوض گل کے قطرے کئی لوہو کے
جس پھول کی ٹہنی کو گلشن میں ہلاتا ہوں

اے زخم جگر مجھ پر تو شوق سے اب ہنس لے
کیسا تجھے آخر کو پھر میں بھی رُلاتا ہوں

کیا کہئے طپش اپنی جو خوبی قسمت کی
آتا ہوں نہ جاتا ہوں بدنام کہاتا ہوں

احباب منتظر تھے برائے مشاعرہ | بارے ہوئی قبول دعائے مشاعرہ
اللہ رے سلیقۂ بانیٔ بزم شعر | کیسا کیا تکلف جائے مشاعرہ
انفاس اہل انجمن اتنی ہے دلکشا | کہئے جنہیں نسیم وصبائے مشاعرہ
بازار بلبلان چمن سرد ہے تمام | سن کر طلاقت فصحائے مشاعرہ
اُردو کی سرزمین بنی ہے یہ بزم گاہ | گویا ازل سے ہے یہ برائے مشاعرہ
بے اختیار آتے ہیں اس وقت ہم کو یاد | ہندوستان کے شعرائے مشاعرہ

مرزا دبیر و درد کی خالی ہے جا یہاں　　جن کو سمجھئے خاص برائے مشاعرہ

ہم دفتر سخن میں خدائے سخن کے ہیں　　اس واسطے ہیں دل سے فدائے مشاعرہ

ہے شعر سے یہ شعر نہایت دقیق تر　　آگاہ اس سے ہیں شعرائے مشاعرہ

کچھ ریختے کو بھی تو ہے دخل اس میں آطپش

کہئے مراختہ کبھی بجائے مشاعرہ

سر سنگ پہ رکھ ماتم فرہاد کریں گے

اب طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

پھینکے نہ قفس میں وہ کبھی برگ گل آکر

صیاد بھلا ہم ترا کیا یاد کریں گے

اک نالے کی فرصت بھی نہیں دی دم قتل

محشر میں بھی شکوہ ترا جلاد کریں گے

رہتا ہوں سدا منتظر جنبش لب ہی

کیا جانئے کیا منہ سے اب ارشاد کریں گے

ہو جاوے گا بس دیکھتے ہی وصل میں بیہوش

گر شاد کریں گے تو وہ یوں شاد کریں گے

وہ صید نہیں ہم جو یونہی سہل میں پھنس جائیں
عمداً وے اب خاطر صیاد کریں گے

ہم خوش ہوئے سوراخوں کے پڑنے سے جگر میں
اب نے کی طرح شوق سے فریاد کریں گے

جی میں ہے طپش بید کے سایہ کے تلے بیٹھ
منہ ڈھانپ کے مجنوں کے تئیں یاد کریں گے

آہ کیونکر مرض عشق یہ پنہاں ہووے
زردئی چہرہ ہی جب آپ نمایاں ہووے

کچھ خوش آتے نہیں سب ہمدم و یاور مجھ کو
میں ہوں وحشت ہو مری اور بیاباں ہووے

اس گنہ گار کی حالت پہ ذرا تو بھی تو رو
سر کو قدموں پہ ترے رکھ کے جو گریاں ہووے

رتبۂ گوہر اس کا بھی نہ پاوے گا ذرا
جب تلک خاک میں تو مل کے نہ یکساں ہووے

آپ کو اپنے گریباں میں منہ ڈال کے دیکھ
کب تلک تجھ سے کوئی دست و گریباں ہووے

بسکہ ہمدرد کا ہمدرد کو ہوتا ہے غم
سن کے بلبل بھی مرے نالے کو نالاں ہووے

بیکلی دل کو ستاتی ہے قیامت شب و روز
یا الٰہی کہیں اس درد کا درماں ہووے

جی میں آتا ہے یہ کھینچوائیے تصویر اپنی
پا میں زنجیر ہو اور گوشۂ زنداں ہووے

تو گرفتاری پہ اس اپنی میں یوں روتا ہوں
طفل مکتب کوئی اس طرح سے گریاں ہووے

کیا شکایت کرے صیاد سے کوئی ہمدم
دل ہی جب اپنے لئے صورت پیکاں ہووے

میری غیرت پہ نظر کرکے عزیز دلیس مرگ
واں مجھے رکھنا جہاں گور غریباں ہووے

دم نکلنے کا نہیں جب تلک آوے گا نہ تو
جلد آجا کہیں مشکل مری آساں ہووے

آرزو ہے دل مظلوم کے سینوں میں کہیں
اتنی حالت مجھے حاصل اے عزیزاں ہووے

خاک منہ پہ ہو ملی اشک ہوں آنکھوں سے رواں
ہاتھ سینے پہ ہوں اور چاک گریباں ہووے

سوزش داغ میں اعجاز خلیلی ہے طپش
یہ وہ آتش ہے کہ آخر کو گلستاں ہووے

دیکھے نہیں کچھ داغ ہی مشعل کی طرح سے
سوزاں ہے ہر اک آہ بھی مشعل کی طرح سے

رہتا ہے سدا روز سیہ عشق میں تیرے
سر پہ مرے درویش کے کمبل کی طرح سے

کیا نشو و نما دیکھئے یہ لخت جگر کو
پھوٹے ہیں مژہ پر جو یہ کونپل کی طرح سے

چھاتی پہ ترے ہے جو یہ زنجیر طلائی
اس صفحہ پہ کیا چمکے ہے جدول کی طرح سے

ٹک شکل سے تیری مجھے سیری نہیں ہوتی
جب تک کہ نہ دیکھوں تجھے احول کی طرح سے

جس کشور دل میں خرد و ہوش تھے بستے
افسوس وہ سنسان ہے جنگل کی طرح سے

آمد ہوئی پھر اشک کی برسات کے یارو
پھر نالے گرجنے لگے بادل کی طرح سے

کیا کل مری بگڑی ہے خدا جانئے یارو
کل مجھ میں نہ تھی آج ہو پھر کل کی طرح سے

اب تک تو طپش ناز میں ہے عالم طفلی
جو ہار بھی پہنے تو وہ ہیکل کی طرح سے

ظ۔ے کے باب میں

ظاہر تخلص، نام خواجہ محمد خاں۔ دلی کے رہنے والے۔ یہ ایک شعر ان سے ہے۔

پھر زلیخا نہ نیند بھر سوئی   جب سے یوسف کو خواب میں دیکھا

عین کے باب میں

عظیم تخلص، یہ تین شعران کی غزل سے انتخاب کر کے لکھے گئے ہیں۔

کاروان اشک کا ہوتا ہے رواں آنکھوں سے
تم کو بھی آہ و فغاں ہم یہ خبر کرتے ہیں
کوئی اگر تم میں سے چلتا ہے تو آجائے شتاب
ورنہ اب یار تو کوئی دم میں سفر کرتے ہیں
کچھ نگہ میں نہیں آتا ہے بجز جلوۂ یار
جب کہ ہم دل میں تجھے اپنے نظر کرتے ہیں

عاشق تخلص، نام میر برہان علی۔ میر حسن کے شاگرد۔ یہ ان سے ہے۔

اگر ہم باغباں ہوتے تو گلشن کو لٹا دیتے
پکڑ کر ہاتھ بلبل کا چمن سیتی اٹھا دیتے

خوشی سے پھول لے بلبل کہ پھر یہ گل کہاں ہوگا
غنیمت جان اس دم کو یہ ہیں تجھ کو دعا دیتے

اگر فریاد لاتا گل کے آگے ہم غریبوں کی
قسم غنچے کی ہم کھا کر پھر ان سب کو ملا دیتے

اگر یہ دل پتنگ ہوتا تو اڑتا غم کی ڈوروں سے
مقابل آن کر پیچوں سیتی ان کو کٹا دیتے

قدر بلبل کے رونے کی مگر صیاد کیا جانے
جو عاشق ہو وہی جانے یہ تجھ کو ہیں بتا دیتے

عاشق تخلص، نام میر یحییٰ عرف عاشق علی خان۔ دکھن کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

آنکھ کیوں تو نے بھلا ہم سے ملائی پیارے
بجھ گئی تھی سو پھر اب آگ لگائی پیارے

دوستی میری تری نبھا دے اللہ
گرچہ بدنامی زمانے میں اٹھائی پیارے

خانۂ دل میں مرے بھڑکے ہے اب آتش عشق
شکل تو نے جو نہیں اپنی دکھائی پیارے
میں سوا تیرے کسی کو بھی نہ دیکھوں ہرگز
سامنے اپنے اگر ہووے خدائی پیارے
دل سے دل آنکھوں سے آنکھوں کو ملا کر تجھ سے
کس کو خوش آتی ہے اب تیری جدائی پیارے
ہفت اقلیم کی شاہی نہیں خوش آتی ہے
خوشنما ہے ترے کوچے کی گدائی پیارے
چین نہ آرام نہیں عقل گئی ہوش گیا
دل کو عاشق کے نظر جب سے لگائی پیارے

غین کے باب میں

غضنفر تخلص، نام غضنفر علی خاں عرف میاں کھیلو غلام حسین خاں کروڑے کے پوتے اور میاں قلندر بخش جرأت کے شاگرد۔

یہ ان سے ہے۔

تصور میں ہو اس سے دو بدو ہم — کیا کرتے تھے پہروں گفتگو ہم

گیا اب وہ گریباں ہی کہ جس سے — سدا رہتے تھے مشتاق رفو ہم

کبھی دیکھی جو کل تصویر مجنوں — تو گویائی نہیں بس ہو بہو ہم

کفن دے ہم کو دو آنسو بہانا — کہ بعد از مرگ پاویں آبرو ہم

نہ آیا مرتے دم بھی وہ غضنفر
چلے دنیا سے کیا پُر آرزو ہم

غیرتؔ تخلص، میاں قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے۔ یہ ان سے ہے

یا کسی ڈھب سے آپ آؤ جی
یا ہمیں کو کہیں بلاؤ جی

جان آنکھوں میں آرہی ہے جان
اب تو صورت ہمیں دکھاؤ جی

زندگی سے بتنگ آیا ہوں
بس اب آگے مت ستاؤ جی

وہ پکارے ہزار تم غیرتؔ
آپ اس سے نباہے جاؤ جی

غالبؔ تخلص، نام طالب جنگ نیاز بیگ کے بیٹے، دلی کے رہنے والے ان سے ہے۔

کب رہا ہے اب ہمیں حور و بشر کا امتیاز
دیکھ کر جاتا رہا تجھ کو نظر کا امتیاز

اس کا کوچہ چھوڑ کر جاوے ہے گلشن کی طرف
ہو گیا معلوم بس باد سحر کا امتیاز

نازکی جس نے رنگ گل کی نہ دیکھی ہو کبھی
ہو میاں کیونکر اسے تیری کمر کا امتیاز

ہے یہ سودائے محبت ہی کہ یاں انسان کو
کچھ نہیں رہتا جہاں نفع و ضرر کا امتیاز

جب نشست اغیار کے پہلو میں ٹھہری یار کی
تب ہمارا رہ گیا پھر واں کدھر کا امتیاز

اہل ہمت بوجھتے ہیں خاک جب اکسیر کو
ان کو کب ہوتا ہے صرف سیم و زر کا امتیاز

آگے اپنے یار کے غالب ہمیں معیوب ہیں
ورنہ ہے کس کے اسے عیب و ہنر کا امتیاز

نغمہ بلبل کا ہے کیا زاغ و زغن کے نزدیک
ہوتی ہے قدر سخن اہل سخن کے نزدیک

ہے جو اعجاز مسیحا کی حکایت مشہور
کچھ بڑی بات نہیں تیرے سخن کے نزدیک

درد ہو یا کہ مئے صاف پلا اے ساقی
سب مساوی ہے اب اس تشنہ دہن کے نزدیک

اس کی خوبو کو تو کیا جانے بہت دور رہے گل
کیا ہوا رہتی ہے بلبل تو چمن کے نزدیک

اس رخ و زلف کے سودا میں ہمیں اے غالب
شام غربت ہی بھلی صبح وطن کے نزدیک

کاکل نے تجھ کو ہم سے روپوش کر دیا ہے
اپنا چراغ دل کا خاموش کر دیا ہے
تلوار کی تو اپنے پوچھے ہے کیا تمنا
ہر زخم دل نے خالی آغوش کر دیا ہے
آخر کو رفتہ رفتہ اے اشتیاق مژدہ
ہم کو تمام تو نے اب گوش کر دیا ہے
بے وجہ تو نہیں ہے تیرا ملال خاطر
شاید کسی نے تجھ کو ذی ہوش کر دیا ہے
سچ کہیو آہ ظالم کیسی نگہ تھی تیری
جس نے کہ ایک عالم مدہوش کر دیا ہے
ملنے لگے جو ہم سے دیکھا تجھے چمن میں
گل نے تمام تن کو آغوش کر دیا ہے
احسان ہے ہم پہ تیرا اے جذبۂ محبت
نیش جگر سراپا یاں نوش کر دیا ہے
غالب کو کب رہے ہے پروائے جام ساقی
مست نگہ نے تیرے مدہوش کر دیا ہے

غمؔ تخلص، نام ان کا معلوم نہ ہوا کہ کیا تھا۔ یہ ان سے ہے۔

میں ہوں اندہ نالہ شبگیر ہے اللہ اللہ
سنگ دل کافر بے پیر ہے اللہ اللہ

کیوں بھلا اس دل نادان کو بھایا تم نے
اس نے کی کون سی تقصیر ہے اللہ اللہ

جانے دو اس دلِ دانہ کو مت قید کرو
پیروں میں زلف کی زنجیر ہے اللہ اللہ

سرخ پوشاک سے بے طرح نظر آتے ہو
کس کے یہ قتل کی تدبیر ہے اللہ اللہ

درد سینہ میں ہے اور یاد اس کافر کی
نوک مژگان ہے یا تیر ہے اللہ اللہ

ٹھوکریں مارنا اور گالیاں دینا ہر دم
عاشقی میں یہی توقیر ہے اللہ اللہ

میں مروں غمؔ میں ترے تجھ کو ٹھٹھولی سوجھے
کیا بری میری یہ تقدیر ہے اللہ اللہ

فے کے باب میں

فراقؔ تخلص، نام ثناء اللہ خاں۔ خواجہ میر درد کے شاگرد تھے یہ ان سے ہے۔

مخمس

یہ کہوں اب کے جو اس راہ سے جاناں نکلے
کب تلک دل کی تمنا سی مری جاں نکلے
لطف کر لطف کہ جی ہو ترے قرباں نکلے
قاتل ایسا ہی لگا تیر کہ ارماں نکلے
سینہ کے پار ترے تیر کی پیکاں نکلے

رات دن ظلم جو کرتا تھا تو ہم پر ظالم
تجھ کو شاید کہ خدا کا نہیں کچھ ڈر ظالم
لے ہوئے اب تو ترے باغ سے باہر ظالم
باغباں گل کی جفا اتنی نہ تھی پر ظالم
چھوڑ کر ہم ترے ہاتھوں سے گلستاں نکلے

دل جلا جی جلا چشم سے خون ناب بہا　　سینہ صد چاک ہوا پر نہ ہوا صید اس کا
فرقت یار میں کب تک رہوں یونہیں جیتا　　یا رب اس ہجر کے جینے سے ہے مرنا ہی بھلا
یا ملے یار مرا یا کہیں اب جاں نکلے

نالہ و آہ کے مانع نہ ہو میرے یارو　　جس قدر شور و فغاں میں کروں تم کرنے دو
میرے حق میں ہے بھلا دوستو اب کچھ نہ کہو　　عشق سینہ کو جلا دے ہے نہ تم منع کرو
نالے کرنے دو کہ یہ آتش سوزاں نکلے

دل لگا کہنے کہ اب کوچہ جاناں سے نہ جا　　جی لگا کہنے کہ ہاں ایسے گلستاں سے نہ جا
موت یوں بولی جواں ہے تو ابھی جاں سے نہ جا　　پاؤں پر گرنے لگے اشک کہ آیاں سے نہ جا
آہ جب یار کے ہم کوچہ سے گریاں نکلے

کر مری بات کو یاد یہ نہ جی چاہے گا　　جب تلک جی ہے ستمگر یہ نہ جی چاہے گا
چھوڑوں جنگل کو بجوں پر یہ نہ جی چاہے گا　　سو اذیت ہو اگر مجھ یہ نہ جی چاہے گا
پاؤں سے ایک بھی جو خار مغیلاں نکلے

سیل دریا سے جہاں ہوئے ہوا ایسا کم غرق　　جس طرح اشک نے آنکھوں کے کیا عالم غرق
چشم دل موج میں آ ونگے ہوئے جب ہم غرق　　گھر ڈبایا اپنا انھوں نے کیا اک عالم غرق
اشک کے طفل قیامت کوئی طوفاں نکلے

جی نے میرے مجھے سو بار کہا سمجھا کر   یاں سے جاتا تو ہی پر پاوے گا تو اس میں ضرر
جو وہ کہتا تھا سو آیا وہی اب مجھ کو نظر   منزل یار سے جس وقت کیا عزم سفر
میں اجل دونوں بہم دست و گریباں نکلے

کیونکہ اب مجھ کو نہ ہو غم نہ ہووے طاقت طاق   خوش ہوئے بوئے چمن سے تو سبھی اہل وفاق
لے گیا فیض ہر اک رنگ سے سارا آفاق   سیر کو باغ جہاں میں جو ہم آئے تھے فراق
لے کے دامن میں یہاں سے گل حرماں نکلے

فیض تخلص، نام میر فیض علی میر محمد تقی کے بیٹے۔ یہ
ان سے ہے۔

دور میں ساقی ترے آ نکلے ہیں مے نوش ہم
جام خالی دے ہے کیا اتنے نہیں بے ہوش ہم
سرخ رو لاتے نہیں ژولیدہ مویاں عشق کے
سایہ بال ہما پر مارتے ہیں پاپوش ہم
بے زبانی کی نہ پوچھو وجہ ہم سے کوفت میں
چوٹ کچھ ایسی لگی دل پر کہ ہیں خاموش ہم

شوق میں تیرے کنار دوش کے اے بحر حسن
موج کی مانند ہو جاتے ہیں سب آغوش ہم

دل نہیں رہتا کہ چھپ کر دیکھ لیں ہیں ورنہ فیق
عمر گزری تا کسی سے اتنے میں رو پوش ہم

فغاں تخلص، نام اشرف علی خاں عرف کوکہ خاں یعنی احمد شاہ بادشاہ کے کوکے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

تدبیر کا عبث تو فغاں مبتلا ہوا	تقدیر کا مٹتا نہیں ہرگز لکھا ہوا
ساقی و جام ہے تری ضامن نہ بھڑکی مے	آتا ہے میری چشم سے دریا بہا ہوا
شانہ کی کشمکش سے تری زلف کھل گئی	اے دل نکل شتاب ترا دام وا ہوا
وہ نہیں ہے میرے لکھے کا جواب ہائے	مرتا ہوں انتظار میں قاصد کو کیا ہوا

معلوم میں کیا تیرے رونے پہ اے فغاں
تو خانماں خراب کہیں مبتلا ہوا

فغاں تخلص، نام میر شمس الدین۔ دلی کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

پردہ غفلت کا جب مجھ پاس لے آتا ہے خواب

دیکھ کر میری چشم تر کو رو کے پھر جاتا ہے خواب

خار مژگاں کے مرے جب سے ہوئے ہیں پاسباں

گم نہ آنکھوں کے مرے آنے نہیں پاتا ہے خواب

رات سن کر آہ کا نالہ مرے دلدار نے

یوں کہا کیوں اس کی آنکھوں میں نہیں آتا ہے خواب

کوئی جا کر کے کہے میری طرف سے اس کے تئیں

کیا ہوا ایسا کہ جو مجھ کو نہیں آتا ہے خواب

پڑھ کے یہ مصرع فغاں کا اس نے قاصد سے کہا

یہ وہ آنکھیں ہیں کہ جس کو دیکھ اڑ جاتا ہے خواب

فرصت تخلص، نام مرزا آصف بیگ، الہ آباد کے رہنے والے، جد و آبا ان کے ولایت سے آئے تھے اور انھوں نے لکھنؤ میں وفات پائی۔ یہ ان سے ہے اس سے مطلب کی کوئی بات نہ ہونے پائی

مر گئے ہم پہ ملاقات نہ ہونے پائی

عمر نت دکھ میں کٹی ایک بھی دم کی راحت
اے فلک ہائے تری گھات نہ ہونے پائی

دیکھتے ہی یہ فقط قتل کیا ظالم نے
اور تقصیر کی اثبات نہ ہونے پائی

یہ تمنا ہی رہی تا دم ہستی اپنی
عیش میں اس کے بسر رات نہ ہونے پائی

گر ہوا وصل تو جوں شمع بجز گریہ و سوز
صرف آرام سے اوقات نہ ہونے پائی

جان ہی صرف ضیافت ہوئی اس کے غم کی
اور کچھ ہم سے مدارات نہ ہونے پائی

بوسہ کے لیتے ہی ہم ہو گئے فرصت بے ہوش
آرزو کی کوئی پھر بات نہ ہونے پائی

فدا تخلص، دلی کے رہنے والے نام سید امام الدین۔ مرتضیٰ قلی خان فراق کے شاگرد۔ دیوان سے ہے۔

روتے روتے لخت دل آنکھوں پہ آیا آخرش
ہجر میں اس عشق نے کیا کیا دکھایا آخرش

زلف میں اس کی مرا دل اس طرح کا گم ہوا
کی بہت تلاش پر اس کو نہ پایا آخرش

چشم نے تو اور ہی طوفان کچھ برپا کیا
وادیٔ مجنوں کے تئیں ہم نے ڈبایا آخرش

دوستی میں ان بتوں کی گالیاں ہم نے سنی
دل ملانے کا نتیجہ ہم نے پایا آخرش

بت پرستی کی یہاں تک بت نے دل میں گھر کیا
رفتہ رفتہ شک مسلمانی میں آیا آخرش

حسن پر کرتا ہے اپنے آج کل زیادہ غرور
آپ نے تو کچھ نہ کچھ اس کو سکھایا آخرش

جوشش خوں منصور ہے کیونکر یہ چھپے گا اے خدا
کھینچ کر مقتل میں تجھ کو لے ہی آیا آخرش

فدوی تخلص، نام محمد محسن ۔ میر غلام مصطفےٰ کے بیٹے ۔ پیدائش انکی لاہور سے ہے ۔

دل تڑپھتا ہے صبح و شام پڑا ‏ ‏ یا الٰہی یہ کس سے کام پڑا
گو نہ لیوے تو نام عاشق کا ‏ ‏ اب تو منہ میں یہ سب کے جام پڑا
جان سے ہو گیا بدن خالی ‏ ‏ جسم رہ جاوے گا تمام پڑا
قابل بندگی نہیں تو نہیں ‏ ‏ کب گلے آ کے یہ غلام پڑا

یار ایسا نہ پاوے گا فدوی
دیکھ لینا اگر اس کو کام پڑا

فدوی تخلص، نام مرزا لی عرف مرزا بچھو ۔ عظیم آباد کے رہنے والے ۔ یہ ان سے ہے ۔

مخمس

سنیو ذرا یہ گفتگو شب کو بر دے آب جو ‏ ‏ بیٹا تھا یہ سبو سبو مل کے صنم سے دوبدو
مشعل وے تھی روبرو میں تھا وہاں اور خور ‏ ‏ لیکن ہوئی یہ سب رفو آخر شب نہ میں نہ او

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
رفے سحر سیہ کنید یار باین بہانہ رفت

لذت عیش زندگی ہم نے کیئے تھے شب تلک　　بادہ ناب اور گزک ٹھاٹھ رہا سحر تلک
سوتے تھے ہم پلنگ پر مل کر صنم سے بے دھڑک　　نیند سے آنکھ کھل گئی دیکھو تو کیا ہی یک بیک

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بایں بہانہ رفت

ہم نے کیئے تھے واہ واہ شب کو مزے عجب عجب　　بزم و شراب و راگ و رنگ اور بغل میں غنچہ لب
سینہ بہ سینہ لب بہ لب یونہیں کٹی تمام شب　　عین خوشی میں کیا کہوں یار رو یہ کیا ہوا غضب

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بایں بہانہ رفت

یار نے کی تھی روشنی صحن چمن میں ہر طرف　　نہروں کے لب کے وار پار چمن کے چراغ صف بہ صف
آب رواں میں کشتی پر وصدائے چنگ و دف　　کیا ہی سماں بندھا تھا واں مفت گیا وہ لے ز کف

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بایں بہانہ رفت

شام سے تا سحر تلک ٹھاٹھ رہا تھا میرے گھر　　میں تھا نشہ میں بے خبر آیا کہیں سے جلوہ گر
تنگ گرفتمش بہ بر دست بزلف و در کمر　　شوق دلوں میں بیشتر وقت وہ لے گیا گزر

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بایں بہانہ رفت

وصل کی شب جو پوچھیے یا تھی وہ ماہ دلفروز   یا تھی وہ شب شب برات یا تھی وہ شب مثال روز
بوس و کنار نے کیا دل میں طپش جگر میں سوز   شرم و حیا میں کٹ گئی دل میں رہی ہوس ہنوز

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت

روئے سحر سیہ کنید یار بایں بہانہ رفت

شب کو وہ شوخ دل ربا صبر کی لے گیا متاع   فدوی نے اس سے اک ذرا کچھ بھی نہ پایا انتفاع
اس کے سخن میں افترا اس کی ادا میں اختراع   باتوں میں شب گذر گئی وقت پکارا الوداع

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت

روئے سحر سیہ کنید یار بایں بہانہ رفت

قاف کے باب میں

قسمت تخلص، نام شمس الدولہ، بڑے بیٹے نواب بارگاہ قلی خاں کے۔

یہ ان سے ہے۔

گر وہ بت کافر شب مہ بام پہ آوے
اک ماہ دویم ماہ فلک کو نظر آوے

مژگاں تری دل میں جو مرے پیر گئیں ہیں
تا سفتہ نہ دیکھا کوئی لخت جگر آوے

مقدور ہے کس کا جو ترے حکم کو ٹالے
رستم بھی جو نہ آوے تو وہیں اس کا سر آوے

تو بر سر بازار جہاں جلوہ نما ہو
خورشید فلک پر سے گئے نیچے سر آوے

جوں ماہ منور شب تار ہماری
قسمت وہ اگر چاند سی صورت نظر آوے

قائمؔ تخلص، نام ان کا معلوم نہ ہوا کہ کیا تھا۔ یہ ان سے ہے۔

مخمس

کیا جانے ہو دکھائی مجھے ہر بات بہت
میں بھی اس وضع سے گھبراتا ہوں اے یار بہت
صلح کل یہ ہے کہ بس دو نہ تم آزار بہت
ہو گیا ایسے ہی مری شکل سے بیزار بہت
تم سلامت رہو بندے کے خریدار بہت

اس کدورت کی ملاقات میں بھی کچھ ہے مزا
تم نہ کو آپ کو اور میں بھی رہوں دل میں خفا
قصہ کوتاہ یہ بے جا ہے سب آپس کا گلا
ناخوشی دل میں جو آئی ہے تو پھر چرچا کیا
تم کو خواہندے بہت ہم کو طرحدار بہت

میرے احوال سے واقف ہیں سبھی انس اور جن
کہ ہوا جاتا ہے کم تاب و تواں دن بہ دن
ناتواں اس لیے ہوا ہوں مرے جاناں ترے بن
آج کے دیکھنے میں جی ڈوب چلا تھا لیکن
نالۂ دل نے کیا مجھ کو خبردار بہت

ایک تو دل شدگان پر نہیں کرتا تو نظر　　تس پر اٹھواتا ہے کوچہ سے انہیں اے دلبر
ظلم اتنا بھی نہیں خوف خدا سے تو ڈر　　مر ہی جاوے گا کوئی دیکھ جفا زیادہ نہ کر
اپنے جینے سے بھی یاں بیٹھے ہیں بیزار بہت

آج تم نیت جانے کی کدھر باندھی ہے　　کس ارادے پہ میاں تیغ و سپر باندھی ہے
ہے نشانہ کوئی جس پہ کہ نظر باندھی ہے　　سچ کہو قتل پہ اب کس کے کمر باندھی ہے
ان دونوں ہاتھ میں تم رکھتے ہو تلوار بہت

جو کہ واقف نہ ہو تجھ سے تری عیاری سے　　پیچ میں لا تو اسے مکر سے مکاری سے
باز آیا میں تری ایسی تو غم خواری سے　　شیخ مت مجھ کو ڈرا گور کی اندھیاری سے
ہجر کی میں نے تو کاٹی ہیں شب تار بہت

قیس و فرہاد کی حالت تھی وہی جو کہ سنی　　اور بھی ان کے سوا جان گئی کتنوں کی
کل کی ہے بات جو ٹھانی کہ دیا اپنا جی　　قائم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر گئے ہیں اسی آزار سے بیمار بہت

قدرت تخلص، نام شاہ قدرت اللہ۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

آہستہ رو رفیقوں نے منزل کو طے کیا　　رفتار تیری نے مرے ناقہ کو پے کیا
کل میکدہ میں مجھ کو سنائی دیا یہ حرف　　جب گوش دل میں جانب آوا نے کہا

قدرت یہ کیا خیال ہے اتنا نہ چاہیئے — دل کو جو یاں مقید میں ہر ایک شئے کیا
کچھ فائدہ نہیں ہے مرے یار یاد رکھ — تسخیر گو تو مملکت روم و رے کیا
آخر یہی کہ چھینے گا تجھ سے یہ وزر جیغ
جس نے کہ یہ ہم افسر کاؤس و کے کیا

ہم صفیران چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے — ہائے یہ شام غریبی کہ وطن چھوٹے ہے
غمزہ شوخ سے دل دے کے میں ایسا بھاگا — جیسے صیاد کے ہاتھوں سے ہرن چھوٹے ہے
اب تلک تیرے شہیدوں کے بن ہر موے سے — جوش فوارہ خون زیر کفن چھوٹے ہے
شب ہجراں کی مصیبت میں لکھوں کیا قدرت
تن سے جاں ہو ہے جدا جان سے تن چھوٹے ہے

قلندر تخلص، نام ان کا خدا جانے کیا تھا - یہ ان سے ہے -

بے نصیبی پہ اے دل اپنی عبث روتا ہے — جو لکھا کاتب قدرت کا وہی ہوتا ہے
سفر ملک عدم تجھ کو ہے آخر در پیش — خواب غفلت سے تو بیدار ہو کیا سوتا ہے
نہیں ممکن کہ مغیلان سے ہووے پیدا — پھل بھی کھاتا ہے وہی جو کوئی کچھ بوتا ہے
کر لے کچھ کام غنیمت ہیں یہ ایام حیات — بازی و لعب میں کیوں عمر کو تو کھوتا ہے
غم کی پیچش سے قلندر تو نہ کر دل کو تنگ
عشق کا دام بلا ایسا ہی کچھ ہوتا ہے

قائمؔ تخلص، نام ابوالقاسم خاں۔ خاندان بادشاہی سے کچھ قرابت رکھتے ہیں۔ اور اس خاکسار کو بھی ان کی خدمت میں نیاز ہے۔ بالفعل کلکتے میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہ ان سے ہے۔

سیکھے وہی انداز مرے طرز سخن کا ۔۔۔ نالہ ہو سنا جس نے کبھی مرغ چمن کا

اس غیرت خورشید نے مارا مجھے از بس ۔۔۔ جوں خط شعاعی ہے ہر اک تار کفن کا

ملبوس کا پابند نہیں ہے کبھی عاشق ۔۔۔ مجنوں کو کیا فکر ہے عریانئ تن کا

کیوں شکل کو دیکھوں نہ تری اور ترے قد کو ۔۔۔ نظارہ جو گلشن میں کروں سرو و سمن کا

کندن کو بھی دیکھا تو وہاں لگ نہیں سکتا ۔۔۔ اللہ رے مطبوع ترا رنگ بدن کا

ہے سیوتی کے پھول سے یہ سادگی تیری ۔۔۔ کیا قہر ہے ظالم ترے بے ساختہ پن کا

بکھری ہوئی زلفیں تری اس چاند کے منہ پر
قائمؔ کو دکھاتی ہیں سما چاند گہن کا

اشکوں سے ہر مژہ ہے مری نسترن کی شاخ ۔۔۔ پھولوں میں کیا گھٹی ہے یہ میری چمن کی شاخ

یوں بار غم سے خم ہوا میرا قد ضعیف ۔۔۔ جیسے دکھائی دے کوئی نخل کہن کی شاخ

تحریر وصف سبزہ خط میں عجب نہیں ۔۔۔ گر سبز ہووے خامۂ اہل سخن کی شاخ

آہو سی آنکھ ہے تری اور اس پہ یہ پلکیں ۔۔۔ یوں ہیں نوکیلی ہوتی ہے جیسے ہرن کی شاخ

گلشن میں دیکھ کر تجھے تعظیم کے لیئے
موج صبا جھکاتی ہے سرو سمن کی شاخ

کیونکر نہ صبح ہو گل خورشید کی چمک
تار مقیش بھی ہو جب اس کے کرن کی شاخ

قاسم کا ہو الٰہی نہال اُمید سبز
جس طرح سبز ہو سم گل میں ہو بن کی شاخ

شور و فغاں ہے متصل نالوں کی پیہم دھوم ہے
شاید وداع جاں ہے یا مرگ دل مظلوم ہے

ہستی ہے بے مہر و وفا مت اپنے تئیں اس سے لگا
جو کچھ ہے اس میں دیکھا سرتا بہ پا موہوم ہے

کل دیکھ اک چشمے کے تئیں کہنے لگا وہ نازنیں
شاید کہ یاں زیر زمیں کوئی عاشق مرحوم ہے

خواہش رہی نت وصل کی دیکھا بجز فرقت کبھی
سچ ہے کہ ملتا ہے وہی قسمت کا جو مقسوم ہے

پوچھو ہو کیوں ہے خستہ جاں کہہ مجھ سے اپنی داستاں
میں کیا کروں مشفق بیاں سب آپ پر معلوم ہے

آلودہ مت کیجیئے دہن گالی سے اے سیمیں بدن
باللہ یہ طرز سخن معیوب ہے مذموم ہے

ہوں پوچھتا تجھ سے یہی ٹک مجھ کو بتلا تو سہی
کیا سبز ہی خط ہے تری جس کا ہر اک مسموم ہے

غافل نہ رہ شام و سحر ہاں جلد لے اپنی خبر
فرصت ہے یاں مثل شرر پل مارتے معدوم ہے

قاسم چھپا مت درد دل کس کا ہے غم چھاتی پہ سِل
جو اس قدر کچھ متصل حالت تری مغموم ہے

کاف کے باب میں

کمالؔ تخلص، نام شاہ کمال الدین حسین کڑے مانک پور کے رہنے والے۔
بزرگ ان کے منصب دار بادشاہی تھے۔ یہ ان سے ہے۔

میاں او جانے والے آنکھ اٹھا کر ٹک ادھر دیکھو
کوئی تم کو پکارے ہے ذرا منہ پھیر کر دیکھو

اجی میں کیا کروں لاچار ہوں کہتے ہو کیوں مجھ سے
نہ یوں حیران ہو کر مجھ کو تم دو دوپہر دیکھو

یقیں تم کو اگر آتا نہیں ہے میری حالت کا
تو آئینہ کو اپنے سامنے ٹک تم بھی دھر دیکھو

کمالِ خستہ کو یارو یہاں قسمت لے آئی ہے
نہیں تو مجھ کو دیکھو اور یہ میرا سفر دیکھو

کامل تخلص، نام ان کا معلوم نہ ہوا کہ کیا تھا - یہ ان سے ہے -

دلدار کہاں وہ تو دل آزار ہے میرا — وہ مول مجھے لے ہے خریدار ہے میرا
ہم خانہ بدوشوں کا مکاں پوچھتے کیا ہو — مسکن تو میاں سایۂ دیوار ہے میرا
ہر چند مسلماں ہوں پہ بندہ ہوں بتوں کا — پنہاں مری تسبیح میں زنار ہے میرا
قاتل مرا کل آن درشتی سے یک بیک — پوچھے مجھے کہ تو ہی طلبگار ہے میرا
بس ہوش مرے جاتے رہے میں نے ہاں کہا — سچ ہے کہ فدا تم پہ دل زار ہے میرا
اس بات کے سنتے ہوئے بس کھینچ کے شمشیر — للکارا ہاں کہ یہ جو گرفتار ہے میرا
روداد مری دیکھ کہا اس نے ادب سے — اس کے تئیں چھوڑو کہ یہ غمخوار ہے میرا

کہنے لگا تو کون ہے چل دور یہاں سے
کامل کو میں ماروں گا گنہگار ہے میرا

گاف کے باب میں

گرم تخلص، نام مرزا حیدر علی، دلی کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

نالوں کی گرمیوں سے بھنتے دل و جگر ہیں
لب خشک ہو رہے ہیں کانٹے زبان پر ہیں

تیغ نگاہ کس کی دیکھی ہے ہم نے یارب
جو زندگی سے اپنی بیزار اس قدر ہیں

یاران رفتگاں کا مت پوچھ مجھ سے قصہ
اے ہم نشیں میں بھی حیران ہوں وے کدھر ہیں

خورشید و ماہ کو میں پھرتے ہی دیکھتا ہوں
یہ کس کی جستجو میں آزردہ در بدر ہیں

سینے کو داغ سوزاں آنکھوں کے اشک خونی
اس نخل عاشقی کے یہ گل ہیں یہ ثمر ہیں

کس شعلہ رو کے غم میں روتا ہے اس قدر تو
جو گرم اشک تیرے شوریدہ جوں شرر ہیں

لام کے باب میں

لطیف تخلص، نام میر شمس الدین۔ سورت کے رہنے والے۔ اب لکھنؤ میں تھے۔ یہ ان سے ہے۔

مژدہ وصل اگر کوئی سناتا ہے مجھے · میں یہ سمجھوں ہوں کہ جی داں دلاتا ہے مجھے
ایسی الفت کو لگے آگ پڑے چولہے میں · جو ہے دلسوز مرا وہی جلاتا ہے مجھے

گھر میں جا بیٹھ رہا اس سے خفا ہو تو لطیف
کیا ہی غصہ تری اس بات پہ آتا ہے مجھے

میم کے باب میں

محبوبؔ تخلص، نام میر قریش - دلی کے رہنے والے - یہ ان سے ہے -

بلبلاں سب رو نی آئیں باغباں رو دیجیو
اشک سے شبنم کے حوض و نہر سب بھر دیجیو

بعد میرے دفن کے تو قل پڑھا چاہے اگر
کھود کر ہر بیخ گل کی صاف مٹی لیجیو

مت تردد کیجیو میرے جواب نامہ کا
برگ گل ٹک توڑ کر میرے کفن پہ دیجیو

پھر قدم چالیس ہٹ کر آکے تربت پر مری
فاتحہ کی جائے پر تعریف گل کی کیجیو

یہ وصیت کر کے لے محبوب بلبل مر گئی
اور کہا تحت چمن پر دفن مجھ کو کیجیو

محبتؔ تخلص، نام محبت خاں نواب حافظ رحمت خاں کے بیٹے، بریلی کے رہنے والے۔ اس نحیف پر نہایت مہربانی فرماتے تھے۔ اور ہفتے میں ایک بار چہارشنبہ کے دن اس خاکسار کے غریب خانہ میں تشریف لاتے تھے۔ یہ ارشاد ان کا ہے۔

مخمس

خوش نہیں چشم سے اک خلق کو مخمور کریں دیکھیں گلشن میں جو نرگس تو رنجور کریں
لوگ گو حسن کا اعجاز نہ منظور کریں رخ سے اپنے جو کبھی پردہ بتاں دور کریں
چاند تو کیا ہے یہ سورج کو بھی بے نور کریں

کب کے تاراج ہوئے میرے سبھی ہوش و حواس جان بھی لب پہ نہیں اب کی رہی مجھ کو آس
عشق سے سب گئے برباد جو کرتا ہوں قیاس اور تو نذر کو خوباں کی نہیں کچھ مجھ پاس
دل کو لایا ہوں میں حاضر ہے جو منظور کریں

درد دل کی سے گلفام وہ لاہے ساقی زندگانی سے تو مری جان خفا ہے ساقی
لا شے اس وقت میں تو مے تو بجا ہے ساقی کیا اٹھا ابر ہے اور کیا ہی ہوا ہے ساقی
آج ہے جی میں کہ ٹک جام کو معمور کریں

ہم کو بھی روز ستاتے ہیں یہ گلرو کافر آہ فریاد نہیں کرتے ہم ان کی خاطر

کب تلک ان کے جفاؤں پہ رہیں ہم صابر　　بلبلو کوئی تو فریاد سُنے گا آخر

آؤ اب چل کے گلستاں میں سبھی شور کریں

گنج اسرار ہے دل عشق ہے یاں اس کی کلید　　دل میں ڈھونڈھو اس کے تئیں اندر نہ کر گفت و شنید

یار نزدیک ہی رہتا ہے نہیں اتنا بعید　　اپنے دل ہی میں جو موجود ہے ہر طرح کی دید

کیا غرض ہے جو خیال شر طور کریں

یار کوچہ میں ہیں سینکڑوں قرباں تیرے　　دل میں ہر ایک کے گھر کر گئے پیکاں تیرے

دل و جاں میری ہی بسمل نہیں جاناں تیرے　　ناوک اندازی پہ آجائیں جو مژگاں تیرے

پل میں لاکھوں ہی جگر خانۂ زنبور کریں

کس کا مقدور ہے جو میری طرح غم سے جلے　　آکے پروانہ مرے پاؤں سے آنکھوں کو ملے

بات کہتے ہیں یہاں سب کوئی آکے ویلے　　قیس و فرہاد کو دعوائے محبت ہی ولے

تاب کیا ہے جو مرے سامنے مذکور کریں

مست تخلص، ایک فقیر تھے۔ یہ ان سے ہے۔

آج دلبر کو خواب میں دیکھا　　نور حق کا حجاب میں دیکھا

خود فنا ہو کے ذات میں ملنا　　یہ تماشا حباب میں دیکھا

آپ کو سوختہ غیر کو لذت　　یہ مزا ہم کباب میں دیکھا

بیٹھ کر سیر ملک کی کرنی　　یہ تماشا کتاب میں دیکھا
اک پیالے میں مست ہو جانا
یہ تماشا شراب میں دیکھا

مہرباں تخلص، نام ان کا معلوم نہ ہوا کہ کیا تھا۔ یہ ان سے ہے۔

کتنے دنوں سے تم کو جان دیکھا نہیں جو ہو سو ہو
دور سے دیکھ آئیں گے اس میں جو کچھ کہ ہو سو ہو

ہاتھ میں لے کے تیغ وہ کہتا تھا بے دریغ وہ
تجھ پہ ہم آزمائیں گے اس میں جو کچھ کہ ہو سو ہو

ہاتھ میں لے کے اس کا ہاتھ مرزا پھریں گے ساتھ ساتھ
دشمنوں کو جلائیں گے اس میں جو کچھ کہ ہو سو ہو

عزت و شرم کر چکے آ گئے ہی اس کی نذر ہم
جان بھی اب گنوائیں گے اس میں جو کچھ کہ ہو سو ہو

خواہ غضب وہ ہم پہ ہو خواہ وہ ہووے مہرباں
حال دل اب سنائیں گے اس میں جو کچھ کہ ہو سو ہو

مسکین تخلص، نام تحمیل، عظیم آباد کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

ستار ہی ہے جس مرد کو ہر دم خدا کا دھیان ہے
تحقیق گر پوچھو وہی جگ میں بڑا انسان ہے

جس واسطے پیدا ہوا سو تو نہیں کرتا ہے یہ کچھ
کھویا جنم سب کھیل میں نہ دھیان نہ کچھ گیان ہے

مَاخَلقتُ الجن والانس لا لیعبد حق نے کہا
غافل ہو کیوں کرتے نہیں حق کا جو کچھ فرمان ہے

شب رفت در خوابید گی جن نے نہ کی کچھ بندگی
کیا کام ایسی زندگی جگ میں وہ جوں حیوان ہے

رہتا نہیں گھربار میں جیتا نہیں سنسار میں
اک دن پڑے گا غار میں دن دو ہی کا مہمان ہے

از غیر حق دیکھو صفا دنیا سے مت ڈھونڈھو وفا
اس میں نہیں ہرگز نفع آخر سراسر زیان ہے

ہرگز نماند در جہاں زندہ کسے جز ذات حق
قرآن میں تم دیکھ لو کُلُّ من علیھا فان ہے

راہ نبی پہچان لے تحقیق جو انسان ہے

اسلام کو سب جان لے یہ دین اور ایمان

اک بار سب سے توڑ کے حق سے محبت جوڑ کے

دھندہ جگت کا چھوڑ کے دیکھو یہی عرفان

مسکیں چو گفت این ریختہ شیر و شکر آمیختہ

ہے لعل دُر آمیختہ طبعش چو بحر و کان ہے

مظہر تخلص، مرزا جان جاناں۔ دلی کے رہنے والے۔ مرد درویش
و صاحب کرامت تھے۔ دسویں تاریخ محرم کی شہید ہوئے۔ ان سے ہے

اس گل کا پہنچا ہے مجھے خط صبا کے ہات اس واسطے لکھا ہے چمن میں ہوا

برگ حنا اُپر لکھو احوال دل مرا شاید کبھی تو جا لگے اس دلربا

آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سے میتا لگا ہے جب ستی مجھ بینوا

ڈرتا ہوں میرزائی تری دیکھ ہر سحر سورج کے ہاتھ چوری دیکھا سحر

مظہر چھپائے رکھ دل نازک اب اس کے تئیں

یہ شیشہ بیچتا ہے کسی میرزا کے ہات

مستمند تخلص، دلی کے رہنے والے تھے۔

کچھ تو فرما ہمیں بھی کام کے تئیں
اے میاں بھول مت غلام کے تئیں

مرے لوحِ مزار پر لکھنا
اس بت سنگدل کے نام کے تئیں

مجھ کو درکار اب نہیں مرہم
زخم آئے ہیں التیام کے تئیں

ترے کوچہ میں مثل نقش قدم
تج کے بیٹھا ہی ننگ و نام کے تئیں

جی نہ ترسا مرا تو اے ساقی
بھر کے دے مے سے ایک جام کے تئیں

باز آ مستمند حق کو مان
چھوڑ اس بت سے رام رام کے تئیں

محبت تخلص، نام مرزا حسین علی۔ دلی کے رہنے والے شاگرد قلندر بخش جرأت کے۔ ان سے ہے۔

کیا قہر ہے یہ تیرا مجھ کو رلا کے ہنسنا
پھر تس پہ اے ستمگر یوں کھل کھلا کے ہنسنا

در سے اٹھایا مجھ کو اور میں ہنسا تو بولا
ہے سخت بے حیائی خفت اٹھا کے ہنسنا

کیا وصل میں مزے تھے اس شوخ کے کہ مجھ کو
کچھ آکے چھیڑ جانا پھر بھاگ جاکے ہنسنا
بدحال دیکھ مجھ کو غیروں سے یوں کہے ہے
ٹک واسطے خدا کے اس کو بلا کے ہنسنا

مجنوں تخلص، ایک فقیر اور شاگرد میر تقی میر کے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

پیا نہیں قدح سے کوئی کبھو تجھ بن رہا مدام مرے جام میں لہو تجھ بن
اسیر زلف ترا ہوں تجھی سے کہتا ہوں سنے گا کون مرا حال مو بمو تجھ بن
نہ پوچھ حال تو مجنوں کا اے بت کافر
خراب و خوار وہ پھرتا ہے کو بکو تجھ بن

منشی تخلص، نام میر محمد حسین۔ میر ابوالحسن کے بیٹے۔ رہنے والے دلی کے۔ بزرگ ان کے ولایت سے آئے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

نہ رکھیے دیر سے مطلب نہ اب طوف حرم کیجے
بتنگ آیا ہے جی ہستی سے ٹک سیر عدم کیجے

ق

اگر خط بھیجیے اس کو تو حضرت سلیماں کا

یہ مصرع کر کے تضمیں ایک شعر اب یوں رقم کیجے

سوا احوال دل اپنے کے منشی نے اگر تم کو

لکھا ہو حرف شکوے کا تو ہاتھ اس کا قلم کیجے

مفتوں تخلص، نام مرزا ابراہیم بیگ۔ اصل ان کی اصفہان سے اور شاگرد میاں غلام ہمدانی مصحفی کے۔ یہ ان سے ہے۔

بتاں جب کہ زلف دوتا باندھتے ہیں گرہ میں دل مبتلا باندھتے ہیں

نہیں ملتے بلبل سے اپنے چمن میں ہم اب آشیانہ جدا باندھتے ہیں

میں یاں خون روتا ہوں ہاتھوں سے ان کے جو پاؤں پر ان کے حنا باندھتے ہیں

جفا کھینچیں گے پر نہ ہاریں گے جی کو یہ ہم تم سے شرط وفا باندھتے ہیں

ہر اک تار میں اس کے دلہائے عشاق بہم جمع کر کے بلا باندھتے ہیں

میاں حال مفتوں دیکھا نہیں کیا

کمر آپ کس پر بھلا باندھتے ہیں

مضطر تخلص، نام لالہ کنور سین۔ دیوان دیبی پرشاد کے بیٹے۔ قوم

کائستھ سکسینہ۔ شاہ جہان آباد کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

سیکھ کمر باغ میں قد سے ترے رعنائی کو
کام فرمانے لگا سرو بھی مرزائی کو

دشمن اپنا ہمیں تم سمجھو ہو اور غیر کو دوست
ہم نے بس دیکھ لیا آپ کی دانائی کو

اس کے خال تہ ابرو پہ مجھے آوے ہے رشک
لے کے سہائے وہ کیا گوشہ تنہائی کو

رشک ہے رنگ حنا پر کہ یہ کس پردے میں
بوسہ دیتی ہے تری ہاتھوں کی رعنائی کو

جب سے اس شوخ کا عاشق میں ہوا ہوں مضطر
ہر کوئی دیکھ ہنسے ہے مری رسوائی کو

مضطرب تخلص، نام درگا پرشاد۔ دیوان بھوانی پرشاد کے بیٹے۔ قوم کائستھ۔ یہ ان سے ہے۔

بہت بے اختیاری کر چکے ہم نہایت آہ و زاری کر چکے ہم
کہا میں کچھ تو کیجے میری خاطر کہا خاطر تمہاری کر چکے ہم

ترے وعدوں پہ ہے اب دم شماری بس اب اختر شماری کر چکے ہم
اگر یاری یہی ہوتی ہے صاحب تو بس آنے کو یاری کر چکے ہم
نہ آیا مضطرب وہ رشک گل ہائے
لہو آنکھوں سے جاری کر چکے ہم

مفتون تخلص، نام مرزا علی رضا۔ آگے مفتون تخلص کرتے تھے۔ اب شاگرد ہوئے میر نظام الدین کے۔ یہ ان سے ہے۔

پڑا ہے شور دل میں جب سے اس کان ملاحت کا
یہاں ہر زخم ہے مہمان نمکدان قیامت کا
برہنہ پائی لے چل مجھ کو اس خار مغیلاں میں
جہاں ہر خار کو دعویٰ ہے نشتر کی نیابت کا
نہیں ہے ملتفت مدت سے یاں وہ دشنۂ مژگاں
لب پُر زخم دل سے خون ٹپکے ہے شکایت کا
یہاں گو حوصلہ طاقت کا برگ کاہ سے کم ہے
ولے روکش صدا رہتا ہوں میں صد کوہِ محنت کا
شہید لطف قاتل ہوں کہ بعد از قتل کل اس نے
کیا محرم لب افسوس انگشت ندامت کا

محشر تخلص، احوال اس کا کچھ معلوم نہ ہوا کہ کون تھا۔ یہ ان سے ہے۔

تھمے ہے نالہ سے گر اک زبان میری
بہے ہے پھوٹ کے یہ چشم خوں فشاں میری
جدھر کو سے اڑے دل کی طپش کروں پروانہ
نہیں ہے برق صفت ہاتھ میں عناں میری
ہر ایک وقت کا یہ روٹھنا ترا ناحق
ہٹا ہے جان پہ وہ شوخ بدگماں میری
ملی تھی چند سے محبت کے ہاتھ سے فرصت
نظر پہ پھر چڑھا اب کے اک جواں میری
کہوں ہوں بات میں ہر چند خیر خواہی کی
غرور حسن میں سنتا ہے وہ کہاں میری
ثنا میں زلف کی از بس کیا کیا محشر
قلم کی طرح سیہ ہو گئی زباں میری

منت تخلص، نام قمرالدین سنپت کے رہنے والے پہلے شاگرد محمد قائم

منت تخلص نام میر قمر الدین سونیپت کے رہنے والے پہلے
شاگرد محمد قایم کے تھے بعد اُسکے شاگردی میر شمس الدین فقیر کی
اختیار کی شعر فارسی نہایت خوب کہتے تھے یہہ اُنسے ہی

غزل

منعی اس سے سخن سازِ بسالوسی ہی | ہر تمنا کو یہاں مژدۂ مایوسی ہی
میری ہی طرح جگر خون ہی نزاکت سے | ای حنا کیے تجھے خواہشِ پابوسی ہی
آہ ای کثرتِ داغِ غمِ خوباں کہ مدام | سینہ سینہ پر از جلوۂ طاوسی ہی

ہمتِ عشق عبث کرتے ہیں مجکو منت
ہاں یہ سچ ملنے کی خوبانسے تو اک خوسی ہی

میر تخلص نام محمد تقی لکھنو میں وزیر الممالک نواب آصف الدولہ
مرحوم کے پاس نوکر تھے قریب اسی برس کے ہو کے وفات پائی اُنسے ہی

غزل

جو اس شور سے میر روتا رہیگا | تو ہمسایہ کاہیکو سوتا رہے گا

کے تھے۔ بعد اس کے شاگردی میر شمس الدین فقیر کی اختیار کی۔ شعر فارسی نہایت خوب کہتے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

مدعی اس سے سخن ساز بر سالوسی ہے　　پھر تمنا کو یہاں مژدہ سالوسی ہے
میری ہی طرح جگر خون ہے ترا مدت سے　　اے حنا کس کی تجھے خواہش پابوسی ہے
آہ اے کثرت داغ غم خوباں کہ مدام　　صفحۂ سینہ پر از جلوۂ طاوسی ہے
تہمت عشق عبث کرتے ہیں مجھ کو منت
ہاں یہ سچ ملنے کی خوباں سے تو اک خفی ہے

میر تخلص، نام محمد تقی۔ لکھنؤ میں وزیر الممالک نواب آصف الدولہ مرحوم کے پاس نوکر تھے۔ قریب اسی برس کے ہو کے وفات پائی۔ ان سے ہے۔

جو اس شور سے میر روتا رہے گا　　تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا
میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں　　جسے ابر ہر سال روتا رہے گا
مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح　　تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہے گا
بس اے گریہ آنکھیں تری کیا نہیں ہیں　　کہاں تک جہاں کو ڈبوتا رہے گا
مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے　　جرس کے بھی وہ ہوش کھوتا رہے گا

تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے　　ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

بس اے میر مژگاں سے پوچھ آنسوؤں کو

تو کب تک یہ موتی پروتا رہے گا

میر کا صحبت میں اس کی حرف سر کر رہ گیا

پیش جاتے کچھ نہ دیکھی چشم تر کر رہ گیا

خوبی اپنے طالع بد کی کہ شب وہ رشک ماہ

گھر مرے آنے کو تھا سو منہ ادھر کر رہ گیا

طنز تعریض بتان بے وفا کے در جواب

میں ہی کچھ دل میں خدا سے اپنے ڈر کر رہ گیا

سرگذشت اپنی سبب ہے حیرت احباب کی

جس سے دل خالی کیا وہ آہ بھر کر رہ گیا

میر کتنے دنوں سے رہتی تھی بے طاقتی

رات دن تڑپا بہت شاید کہ مر کر رہ گیا

کیا کہے حال کہیں دل زدہ جا کر اپنا　　دل نہ اپنا ہے محبت میں نہ دلبر اپنا

دوریٔ یار میں ہے حال دل ابتر اپنا　　ہم کو سو کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا

اک گھڑی صاف نہیں ہم سے ہوا یار کبھی ۔ دل بھی جوں شیشۂ ساعت ہے مکدر اپنا
ہر طرف آئینہ داری ہی ہے اس رو کی ۔ شوق سے دیکھیے منہ موڑے ہے کدھر اپنا
لب پہ لب رکھ کے نہ اس گل کے کبھو ہم سوئے ۔ نہ بساط خسک و خار ہے بستر اپنا
کس طرح حرف ہو ناصح کا موثر ہم میں ۔ سختیاں کھینچنے میں دل ہوا پتھر اپنا
کیسی رسوائی ہوئی عشق میں کیا نقل کریں ۔ شہر دیہات میں مذکور ہے گھر گھر اپنا
اس گل تر کی قبا کے کہیں کھولے تھے بند ۔ رنگیں سے گلبرگ کے ناخن ہے معطر اپنا
تجھ سے بے مہر کے لگ لگنے نہ دیتے ہرگز ۔ زور چلتا کچھ اگر چاہ میں دل پر اپنا
پیش کچھ آئے نہیں ہم تو ہیں ہر صورت سے ۔ مثل آئینہ نہیں چھوڑتے ہم گھر اپنا
دل بہت کھینچتی ہے یار کے کوچہ کی زمیں ۔ لوہو اس خاک پر گرتا ہے مقرر اپنا

میر خط بھیجیے پر اب رنگ اڑا جاتا ہے
کہ کہاں بیٹھے کدھر جاوے کبوتر اپنا

بوسہ اس بت کا لے کے منہ موڑا ۔ بھاری پتھر تھا چوم کر چھوڑا
ہو کے دیوانے ہم ہوئے زنجیر ۔ دیکھ کر اس کے پاؤں کا توڑا
دل کیا کیا نہ درد رات دیے ۔ جیسے پکتا رہے کوئی پھوڑا
گرم رفتن ہے کیا سمند عمر ۔ نہ لگے جس کو باد کا گھوڑا
کیا کرے بخت مدعی تھے بلند ۔ کوہ کن نے تو سر بہت پھوڑا

دل ہی مرغ چمن کا ٹوٹ گیا پھول گلچیں نے ہائے کیوں توڑا

ہے لب بام آفتاب عمر

کرے سو کیا ہے تیرا دن تھوڑا

اشک کے جوش سے ہوں شام وسحر پانی میں

جیسے ماہی ہے مجھے سیر و سفر پانی میں

شب نہاتا تھا جو وہ رشک قمر پانی میں

گتھی مہتاب سے اٹھتی تھی لہر پانی میں

ساتھ اس حسن کے دیتا تھا دکھائی وہ بدن

جیسے جھمکے ہے پڑا گوہر تر پانی میں

رونے سے بھی نہ ہوا سبز درخت خواہش

گرچہ مرجاں کی طرح تھا یہ شجر پانی میں

موج گریہ کی وہ شمشیر ہے جس کے ڈر سے

جوں کشف خصم چھپا زیر سپر پانی میں

بیٹھنے سے کسو دل صاف کے سرمت تو چڑھے

خوب سا کر لے تامل تو اتر پانی میں

آتش عشق نے راون کو جلا کر مارا
گرچہ لنکا سا تھا اس دیو کا گھر پانی میں

جوشش رشک میں شب دل بھی گیا سینے سے
کچھ نہ معلوم ہوا ہائے اثر پانی میں

بردباری ہی میں کچھ قدر ہے گوجی ہو فنا
عود پھر لکڑی ہے ڈوبے نہ اگر پانی میں

چشم تر ہی رہے کاش وہ آوے خوش رنگ
پھول رہتا ہے بہت تازہ و تر پانی میں

روؤں تو آتش دل شمع نمط بجھتی نہیں
مجھ کو لے جا کے ڈبو دیویں اگر پانی میں

گریۂ زار میں بیتابیٔ دل طرفہ نہیں
سیکڑوں کرتے ہیں پیراک ہنر پانی میں

برگ گل جو گذر آب سے آتے ہیں چلے
رونے سے وو نہیں مرے لخت جگر پانی میں

محو کر آپ کو یوں ہستی میں اس کے جیسے
بوند پانی کی نہیں آتی نظر پانی میں

وہ گہر آنکھ سے جاوے تو بھتے آنسو میر
اتنا رویا ہوں کہ میں تا بہ کمر پانی میں

فرصت نہیں تنک بھی کہیں اضطراب کو
کیا آفت آ گئی مرے اس دل کی تاب کو

میرے ہی چشم تر کی کرامات ہے یہ سب
پھرتا ہے ورنہ ابر تو محتاج آب کو

گزرے ہے شب خیال میں خوباں کے جاگتے
آنکھیں لگا کے ان سے ترستوں ہوں خواب کو

خط آ گیا پر آ گیا تغافل نہ کم ہوا
قاصد مرا خراب پھرے ہے جواب کو

تیوریں جب سے دیکھی ہیں ساقی خمار کے
پیتا ہوں رکھ کے آنکھوں پہ جام شراب کو

اب تو نقاب منہ پہ لے ظالم کہ شب ہوئی
شرمندہ سارے دن تو کیا آفتاب کو

کہنے سے میر اور بھی ہوتا ہے مضطرب
سمجھاؤں کب تک اس دل خانہ خراب کو

یار بن تلخ زندگانی تھی	دوستی مدعی کی جانی تھی
سر سے اس کے ہوا گئی نہ کبھو	عمر برباد یوںہیں جانی تھی
لطف پر اس کے ہمنشیں مت جا	کبھو ہم پر بھی مہربانی تھی
ہاتھ آتا جو تو تو کیا ہوتا	برسوں تک ہم نے خاک چھانی تھی
شب میں فائدہ تامل کا	سوچنا تب تھا جب جوانی تھی
میرے قصے سے سب کی گئیں نیندیں	کچھ عجب طور کی کہانی تھی
عاشقی جی ہی لے گئی آخر	یہ بلا کوئی ناگہانی تھی
اس رخ آتشیں کے شرم سے رات	شمع مجلس میں پانی پانی تھی
پھر سخن نشنوی ہے دلسی ہی	رات اک آدھ بات مانی تھی
کوئے قاتل سے بچ کے نکلا خضر	اسی میں اس کی زندگانی تھی

فقر پر بھی تھا میر کے اک رنگ
کفنی پہنی سو زعفرانی تھی

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے

ہوتا نہیں ہے اس لب نوخطہ پہ کوئی سبز
عیسیٰ و خضر کیا سبھی اک بار مر گئے

یوں کانوں کان گل نے نہ جانا چمن میں آہ
سر کو پٹک کے ہم پس دیوار مر گئے

صد کاروان وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاع دل کے خریدار مر گئے

مجنوں نہ دشت میں ہے نہ فرہاد کوہ میں
تھا جن سے لطف زندگانی وہ یار مر گئے

افسوس وے شہید کو جو قتل گاہ میں
لگتے ہی اس کے ہاتھ کی تلوار مر گئے

تجھ سے دوچار ہونے کی حسرت کے مبتلا
جب جی ہوا وبال تو ناچار مر گئے

گھبرا نہ میرؔ عشق میں اس سہل زیست پر
جب بس چلا نہ کچھ تو مرے یار مر گئے

ممنوں تخلص، نام میر نظام الدین۔ میر قمر الدین منت کے بیٹے۔ آپ شاہ جہاں آباد میں حضور بادشاہ نوکر ہیں۔ یہ ان سے ہے۔

دھویا ہے کن نے منہ کہ یہ ہے رنگ آب کا
لبریز رنگ گل سے ہے ساغر حباب کا

رنجش ہزار لطمۂ صرصر سے ہے مدام
ٹک دیکھو تو حوصلہ اپنے حباب کا

ہے عکس روئے یار دل چاک میں نہاں
یاں ہے کتاں نقاب رخ ماہتاب کا

دھویا ہے چشم مست کو دریا میں کس نے صبح
گرداب ہو گیا ہے پیالہ شراب کا

وا روئے آتشیں پہ نہ کر زلف عنبریں
سایہ ہو کب نقاب رُخ آفتاب کا

اے انتظار یار ذرا چشم کم کہ ہے
مشتاق اپنا دیدۂ بیدار خواب کا

بیتاب نالہ نکلے ہے رخصت مجھے دے قلق
تا پوچھوں حال اس دل خانہ خراب کا

ہے حاشیہ پہ گل کے یہ تحریر عنبریں
عارض سے دیکھ ربط خط مشکناب کا

ممنوں بقول حضرت سودا جو دیکھئے
جلوہ ہر ایک ذرّہ میں ہے آفتاب کا

تا عدم ہے شور اپنی آہ پُر تاثیر کا
ہے سویدا ے دل عنقا ہدف اس تیر کا

شعلہ زن رہتا ہے سوز دل سے پہلو میں مرے
ہم زبان شمع ہے پیکان اس کے تیر کا

جو نظر آتی ہے صورت وہ معنی سے تہی
اس زمانہ میں مرقع ہے جہاں تصویر کا

نَمر دا ہے یہ بوستاں میں جائے گل شعلے اٹھیں
فائدہ اے عندلیبو آہ بے تاثیر کا

صحبتیں اہل جنوں کی یوں جو برہم ہو گئیں
سلسلہ ابتر ہوا کس زلف کی زنجیر کا

دامن زیں رشک چمن باغ آتا ہے نظر
حلقۂ فتراک میں یہ دل ہے کس نخچیر کا

گریہ کب چھوڑے بنائے آرزو ممنوںؔ بجا
فائدہ کیا رہ گزار سیل میں تعمیر کا

شب کو میں کھینچنے جب نالہ شبگیر لگا
جگر سنگ میں اک ناوک تاثیر لگا

رہے اس نقش کا یوں اس دل حیراں میں خیال
جس طرح دیکھئے آئینہ میں تصویر لگا

نکہت شب چلی آتی ہے جو یاں دیسے آج
کھولنے کون سر زلف گرہ گیر لگا

کوئی غمخوار جو عالم میں نہ ہو تو آپ ہی
اپنی چھاتی سے میں رووں دل دلگیر لگا

مجھ کو حیرت ہے یہ ہر آن الٰہی کیونکر
آئینہ کرنے پریزادوں کو تسخیر لگا

کلک کا غذ سی لگے شعلے بھبھک کر اٹھنے
سوز دل اپنے کو میں کرنے جو تحریر لگا

آگ سی لگ اٹھی سینہ میں ہمارے ممنوںؔ
کرنے تو سوز غم ہجر جو تقریر لگا

عین راحت ہے جو کچھ ہم پہ ستم کیجئے گا
سر جھکا دیں گے اگر تیغ الم کیجئے گا

کس کو پروا کہ ہوا دار گل و لالہ رہے
باغ دل اپنے ہی کو رشک ارم کیجئے گا

دیکھ کر مجھ کو یہ کہتے ہیں بتان خوش خط
ایک دن سر کو ترے تن سے قلم کیجیے گا

ق

ایک دن میں نے کہا اس سے کہ اے رشک بہار
کلبۂ غمزدگاں رشک ارم کیجیے گا

سن کے یہ عرض لگا کہنے کہ یہ تو معلوم
خاک پر تیرے کبھی لیک کرم کیجیے گا

اور اے عاشق جاں سوز ترے مرگ کے بعد
ماتم و نوحہ بصد درد و الم کیجیے گا

جب کہا یہ ممنوںؔ نے کہ پھر فائدہ کیا
زندگی ہی میں اگر میرا نہ غم کیجیے گا

کوئی ہمدرد نہ ہمدم نہ یگانا اپنا
روبرو کس کے کہیں ہم یہ فسانا اپنا

نہ کسی جیب کے ہیں پھول نہ دامن کے خار
کس لیے تھا چمن دہر میں آنا اپنا

فائدہ کیا جو ہوئے شیخ حرم راہب دیر
نہ ہوا دل میں کسی کے جو ٹھکانا اپنا

ہیں رواں ناقہ کے دنبال ہزاروں بیتاب
دیکھیو پردۂ محمل نہ اٹھانا اپنا

ہم ہیں اک آتش سوزندہ و یہ نالہ گرم
خرمن چرخ کی خاطر ہے زبانا اپنا

ہے ہزاروں دل مجروح کو ہر عقدہ سے ربط
دیکھیو طرۂ مشکیں نہ ہلانا اپنا

ضعف ہے مانع تحریر ولیکن قاصد
اس سے پیغام زبانی یہ سنانا اپنا

مثل شمع سحری رہگذر شوق میں یاں
دم ہے اب ہونٹھوں پہ لے ماہ لگانا اپنا

اگر آنا ہے تو آ ورنہ کوئی دم میں اب
عدم آباد کو نزدیک ہے جانا اپنا

آہ کا پھینکوں اگر تیر ہوا پر مموں
مرغ عرشی ابھی ہوتا ہے نشانا اپنا

کب گل ہے ہوا خواہ صبا اپنی چمن کا
واجنبش دم سے ہے رفو زخم کہن کا

ضبط نفس گرم کر اے بلبل نالاں
گل ہیں عرق آلودہ جلا رنگ سمن کا
بیتابیٔ دل تیرے شہیدوں کی کہاں جائے
کچھ کم رگ بسمل سے نہیں تار کفن کا
کس واسطے دیتا ہے اب آئینہ کو بوسہ
وہ شوخ جو دلدادہ نہیں اپنے دہن کا
کس چیز کا اب وصف کروں تیرے ادا میں
انداز کا رفتار کا قامت کا پھبن کا
زنداں کو میں غربت کے سمجھتا ہوں گلستاں
جوں یوسف کنعاں ہوں ستم دیدہ وطن کا
طفلی میں دیا ہے سبق استاد نے تجھ کو
ناز و نگہ و عربدہ و شوخی و فن کا
ہم زمزمہ ہم تم تھے کبھی ہے یہی پیغام
مرغان قفس کے لئے مرغان چمن کا
مانند حباب آب کیا عشق نے ممنوںؔ
پایا نہ نشاں جامہ میں اپنے کہیں تن کا

کھولا جو پیچ طرۂ عنبر شمیم کا
مشک فتن سے بھر گیا دامن نسیم کا

نکلا جو شب وہ ماہ تو یہ تو سے بھر گیا
ہالہ کا حلقہ در اس حریم کا

دیکھا جو قد و زلف و دہاں اس کا مٹ گیا
زاہد کے دل سے نقش الف لام میم کا

گر کھول دوں میں سینہ سوزاں کے چاک کو
پھر باز روئے خلق پہ در ہو جحیم کا

ہووے سبک رواں کو سبک روح سے مدد
ہمرہ برنگ نکہت گل ہوں نسیم کا

ممنوںؔ جو ایک آہ شرر بار کھینچئے
مرغ کباب طیر ہو عرش عظیم کا

رہے ہے روکش نشتر ہر آبلہ دل کا
یہ حوصلہ ہے کوئی ملبلے حوصلہ دل کا

سمجھ کہ رکھیو قدم رہروان وادیٔ عشق
رواں ہے یاں دم خنجر پہ قافلہ دل کا

عبث نہیں ہے یہ وابستہ پریشانی
کسی کے زلف کو پہنچے ہے سلسلہ دل کا

کہوں میں کیا کہ ہوا کیسی ہے جگہ مائل
ہے اپنے بخت کا شکوہ نہیں گلہ دل کا

ہجوم غمزۂ و خیل کرشمہ لشکر ناز
عجب سپاہ سے اب ہے مقابلہ دل کا

ہمیشہ رنج و طرب کی یہاں خرید و فروخت
رہے ہے ایک غم نو سے مشغلہ دل کا

مژہ سے ٹپکے ہے کچھ خون گرم سا ممنوںؔ
مگر کہ پھوٹ گیا کوئی آبلہ دل کا

مصحفی تخلص، نام غلام ہمدانی۔ امروہہ کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

تیشہ فرہاد نے جب سر پہ اٹھا کر مارا
کیوں نہ شیریں نے یہ سن سینہ پہ خنجر مارا

تو جو گھر غیر کے تھا چشمک بے جلنے ترے
چٹکی اک دل میں یہ لی جیسے کہ نشتر مارا

بسکہ دیوانہ نزاکت کا تری تھا مجھ کو
گل بھی مارا جو کسی نے تو وہ پتھر مارا

جس کبوتر کو میں خط دے کے وہاں بھیجا تھا
بیچ رستے کے گیا وہ ہی کبوتر مارا

جنبش لب نے تری مری زباں کر دی بند
تو نے کچھ پڑھ کے عجب مجھ پہ یہ منتر مارا

میں ادا اس کی کہوں کیا مری مستی نے رات
سر پہ ساقی کے کس انداز سے ساغر مارا

بھڑک اٹھا میں نسیم سحری تو نے تو
دامن ایسا ہی مری آتش دل پہ مارا

مصحفی عشق کی وادی میں سمجھ کر جانا
آدمی جائے ہے اس راہ میں اکثر مارا

مجھ صید ناتواں سے مگر عار لے گیا — قاتل مرا جو کھینچ کے تلوار لے گیا

جو خوبرو ہے اس کو خریدار ہے ضرور — یوسف کو حسن بر سر بازار لے گیا

یہ قتل اس گلی میں ہوا کل کہ دست جور — لاشوں کا تودہ تا سر دیوار لے گیا

کنج قفس سے چھوٹ پہنچا نہ باغ تک — حسرت یہ جی میں مرغ گرفتار لے گیا

قسمت تو دیکھ غیر کے گھر اس کو مدعی — پوشیدہ کر کے مجھ سے شب تار لے گیا

دیکھا جو میں تو دل سے مرے تیر پار تھا — جس دم وہ ہاتھ کو سر سوفار لے گیا

اک طرفہ میکدہ میں یہ صحبت ہوئی کہ رات — زاہد کے سر سے مغبچہ دستار لے گیا

ہرگز بکی نہ جنس وفا گرچہ مصحفی
سو بار اس کو میں سر بازار لے گیا

میں زمزمہ سنج تھا چمن کا — یاسا مجھے یاں ملا ہے بن کا

واقف اس کا عالم الغیب — جو مرتبہ ہے مرے سخن کا

پیدا تو کرے سپہر گرداں — شاعر کوئی اس لب و دہن کا

آگے مرے ہیں جو صاحب شوق — زہرہ نہیں ان کو دم زدن کا

کس واسطے اک تو ہوں میں اشعر — تس پر مجھے علم بھی ہے فن کا

سمجھا تجھے ہند میں نہ کوئی
عازم ہو تو مصحفی دکن کا

انگڑائی نے کر اپنا مجھ پر خمار ڈالا — کافر کی اس ادا بس مجھ کو مار ڈالا
شب آسماں سے تارے آنکھیں لگے لڑانے — نرگس کا جب گلے میں اس مہ نے ہار ڈالا
قاتل کی تیغ ابرو دمتی ہے سو ادا سے — بجلی کا جم طپانچہ میں اس پہ وار ڈالا
جب چل سکا نہ ہم سے بار گران ہستی — یہ بوجھ ہم نے سر سے آخر اتار ڈالا

اے مصحفی نہ آیا میں ان لگاوٹوں میں
اس کی نگہ نے مجھ پر جادو ہزار ڈالا

تنگ آکر کے ترا عاشق زار آخر کار — مر گیا غم میں ترے آپ کو مار آخر کار
نظر آیا نہ مجھے جب رخ کار آخر کار — جا کے میں بیٹھ رہا جان کو مار آخر کار
بادہ عشق مت پی کہ پشیماں ہو گا — تو ڑ ڈالے ہے بدن اس کا خمار آخر کار
سنگ دہلیز پہ خسرو کے لکھا تھا کہ یہ سنگ — ہووے گا نعیہ بر لوح مزار آخر کار
سوزن و رشتہ کو لے کرکے تب آیا ناصح — رہ گئی جیب کی جب یاں دو سہ تار آخر کار
خاک سے جس کے تو دامن کو سدا جھٹکے تھا — منہ پہ بیٹھا ترے اس کا ہی غبار آخر کار
رنگ سرخ اپنے پہ مغرور نہ ہو اے منعم — سیر دکھلائے گی تجھ کو یہ بہار آخر کار
لے گیا جذب محبت طرف وادیٔ قیس — کھینچ کر ناقۂ لیلی کی مہار آخر کار

مصحفی میں تجھے کہتا تھا کہ تو عشق نہ کر
لب پہ آئی نہ تری جان نزار آخر کار

پھول لالے کے نہ اس خاک سے جم نکلے ہیں
یہ کئی لخت جگر ہو کے بہم نکلے ہیں

جان کو جیسے نکلے ہے کوئی قالب سے
کیا بری طرح ترے کوچہ سے ہم نکلے ہیں

یاں تو وحشت نہ کر اب اے دل دیوانہ ٹھہر
کہ زیارت کو تری اہل حرم نکلے ہیں

پیچ پر پیچ ہے اور بل پہ ہے بل چیں بہ جبیں
کچھ نئی طرح کے اس زلف میں خم نکلے ہیں

ہوگیا ہے سر رہ شور قیامت برپا
گھر سے باہر جو وہ دو چار قدم نکلے ہیں

اس کا بیمار ہوا جب تو وہ بولا اس کے
کیا بری طرح سے آخر کے یہ دم نکلے ہیں

ہیں دم تیغ پہ یہ دیدہ حسرت نزدگاں
پھول نرگس کے جو بر نوک قلم نکلے ہیں

لٹ کے منزل سے کوئی یوں تو نہ آیا ہوگا
جس طرح چھوڑ کے ہم شہر عدم نکلے ہیں

ایسی آزردگی کیا تھی ہمیں اس کوچے سے
پھر نہ آئیں گے جو ہم کھا کے قسم نکلے ہیں

یہ سیہ پوش شب ہجر کی آہیں ہیں مری
تو کہے تعزیہ داروں کے علم نکلے ہیں

جس بیابان خطرناک میں اپنا ہے گذر
مصحفیؔ قافلے اس راہ سے کم نکلے ہیں

حسن اور عشق یار ہیں دونو	روز و شب ہمکنار ہیں دونو
جان و دل بیقرار ہیں دونو	تب تو چشم اشکبار ہیں دونو
کیوں نہ ٹپکے لہو بھووں سے تیرے	تیغ یہ آبدار ہیں دونو
چشم بد دور تیری چشم سیاہ	آفت روزگار ہیں دونو
تیرے تیر نگہ کے اے صیاد	دیدہ و دل شکار ہیں دونو
جائے خلخال پا ہوئے تھے جو رات	میرے شانے فگار ہیں دونو
زار رونے میں میرے دیدۂ تر	رشک ابر بہار ہیں دونو
مرے ہاتھوں میں کب سے گیرائی	صورت پشت خار ہیں دونو
دل مرا اور غنچۂ لالہ	دیکھ لے داغدار ہیں دونو
جیب و دامن کا میرے حال نہ پوچھ	ان دنوں تار تار ہیں دونو

وے دو بوسے لئے تھے اس کے جو میں — مجھ پہ اب تک اُدھار ہیں دونو
رات دن جستجو میں اس مہ کی — مہ و خورشید خوار ہیں دونو
اس کے جولاں کے آسمان و زمیں — کیا اک ادنیٰ غبار ہیں دونو
قیس و فرہاد سے گذر نہ کہ شے — ق — عاشق جاں نثار ہیں دونو
یہ جو یاں خاک و سنگ کے سے ہیں — یہ انہیں کے مزار ہیں دونو
بہ طریق کلیم اور قدسی — جان و دل سے یہ یار ہیں دونو

کوئی سمجھے تو مصحفی و قتیل
شعر میں یادگار ہیں دونو

آگ میں گو جلایئے دل کو — صبر کیونکر سکھایئے دل کو
کچھ گریباں نہیں کہ ہر ساعت — چاک کر کے سلایئے دل کو
ادھر آجائے گر نہ تیرا انداز — خاک تودہ بنایئے دل کو
ایک تو بے وفا سمجھئے اسے — آہ تس پر لگایئے دل کو
ہاتھ اٹھانا تو ہے بہت آساں — اس سے کیونکر اٹھایئے دل کو
دل اگر ہو اسیر دام کمند — سو طرح سے چھڑایئے دل کو
یہ گرفتاری محبت ہے — اس سے کیونکر بچایئے دل کو

مصحفی یار کی خوشی ہے یہی
یعنی غم میں گھلایئے دل کو

غم جو اس دل کا درد چنتا ہے　　کیسے دل ہاتھ پاؤں دھنتا ہے
بزم تصویر ہے طلسم جہاں　　کم کوئی یاں کسی کی سنتا ہے
آتش غم سے متصل یارو　　دل نہیں یہ کباب بھنتا ہے
کارگاہ سخن کا فرق نہ پوچھ　　جیسی جس کی ہے بافت بنتا ہے
موج دریا یہ طعنہ کرتے ہیں　　بند جامے کے جیب وہ چنتا ہے
غم لگا مصحفی کو یہ کس کا
جیسے جی میں پڑا وہ گھنتا ہے

جلتا ہے جگر تو چشم نم ہے　　کیا جانے کہ کس کا مجھ کو غم ہے
جاوے تو کنشت دل میں ہو کر　　تو کعبہ کی راہ دو قدم ہے
دیکھی ہے وہ دھکدھکی میں جب سے　　تب سے مرا دھکدھکی میں دم ہے
تصویر تو اس کی زلف کی دیکھ　　نقاش یہ چین کا قلم ہے
گر دیدۂ غور سے تو دیکھے　　ہستی جسے کہتے ہیں عدم ہے
اتنے جو ہوئے ہیں ہم بداحوال　　یہ حضرت عشق کا کرم ہے
ہر چند اس کی ہے ہر ادا شوخ　　منظور اپنا جو اک صنم ہے
پھر دانتوں تلے زباں دبانا　　بیداد ہے قہر ہے ستم ہے
سمجھو نہ فقیر مصحفی کو
یہ وقت کا اپنے محتشم ہے

تھی جن سے گفتگو ہمیں وہ یار مر گئے
جنس سخن کے اپنے خریدار مر گئے

ہرگز دراس کا وا نہ ہوا مجھ سے سیکڑوں
سر کو پٹک پٹک پس دیوار مر گئے

آے ہیں اس کی قید میں ہم دیکھیں کیا بنے
زنداں میں جس کے لاکھوں گنہگار مر گئے

لائی صبا جو مژدہ گل ان کو باغ سے
کنج قفس میں کتنے گرفتار مر گئے

بچنا جنون عشق سے کھیلے محال ہے
اس بد مرض کے یاں کئی بیمار مر گئے

دار الشفائے عشق کی میں کیا کہوں کہ واں
کیا کیا مریض کھینچ کے آزار مر گئے

ہاتھوں سے دل کے خانہ خرابی کے داغ ہوں
شاید کہ شہر حسن کے معمار مر گئے

فرہاد و قیس و وامق و خسرو ہزار حیف
تھے اپنے آشنا یہ جو دو چار مر گئے

اب جی کے کیا کروں تن تنہا میں مصحفی
تھا جن سے لطف زیست سو وے یار مر گئے

منتظر تخلص، نام میاں نور الاسلام۔ شاہ فیض علی کے بیٹے۔ میاں غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد۔ لکھنؤ کے رہنے والے یہ ان سے ہے۔

ہر وقت میاں آنکھ دکھانا نہیں اچھا
ہر بات میں تیوری کا چڑھانا نہیں اچھا

آنکھ اس سے ملاؤ جو برابر کا ہو صاحب
ہم سے تو غریبوں کا ستانا نہیں اچھا

کر دیتے ہیں آکر تری صحبت کو جو برہم
ان لوگوں کا محفل میں بٹھانا نہیں اچھا

سمجھا تھا جنہیں دوست وہ نکلے مرے دشمن
ہر ایک سے چاہت کا جتانا نہیں اچھا

کیوں آنکھیں لڑاتے ہو مری جاں ہر اک سے
دو شخص کا آپس میں لڑانا نہیں اچھا

غیر آویں تو آویں تری مجلس میں ہے بہتر
اک منتظر خستہ کا آنا نہیں اچھا

گہ پردہ فاش نالے نے گہہ آہ نے کیا
رسوائے خلق ہم کو تری چاہ نے کیا

ناصح کی ہم نے ایک نصیحت نہ گوش کی
دیوانہ جب سے اس دل گمراہ نے کیا

ایسے برے ستارے ہیں مجھ تیرہ روز کے
اک شب نہ میرے گھر گذر اس ماہ نے کیا

دولت کی آرزو نہ کسی دل میں اب رہی
بے غیرت اس قدر ہوس جاہ نے کیا

گذرا ز راہ لطف وہ بت آج اس طرف
احسان ہے کرم مرے اللہ نے کیا

تھا خواب بیچ دیدہ خورشید شام سے
بیداری میری آہ سحرگاہ نے کیا

تقصیر دل کی عشق میں کچھ منتظر نہیں
جو کچھ کیا سو بندۂ درگاہ نے کیا

جنوں بخشے اگر سامان صحرا
رکھیں ہموار ہم میدان صحرا

عیاں ہے شوکت فرہاد و مجنوں
یہ زیب کوہ تھا وہ جان صحرا

جو ہو دیوانگی کچھ بھی مددگار
پھروں ہوتا بلا گردان صحرا

قسم ہے پاؤں مجنوں کے نہ چھوڑوں
لگے ہاتھ اب کسے گر دامان صحرا

کوئی وحشت زدہ کیا مر گیا آج
کریں ہیں نالہ جوں مرغان صحرا

ارے دیوانو مجنوں کیا ہوا ہے
نکل گویا گئی ہے جان صحرا

کیا کیوں منتظر کو شہر میں بند
یہ دیوانہ تو تھا شایان صحرا

کس کو ظالم تو قتل کر آیا　　خون میں جو غرق تا کمر آیا

کعبۂ دل کو ڈھا دیا اے بت　　کچھ خدا کا نہ تجھ کو ڈر آیا

قیس و فرہاد ہو گئے عاجز　　تو ہی اے عشق سب سے ڈر آیا

کس کی تو جستجو میں تھا خورشید　　شام کا جو گیا سحر آیا

کل میں مضمون بوسہ لکھتا تھا　　پانی منہ میں قلم کے بھر آیا

دل کے آئینہ میں جو دیکھا خوب　　اپنی صورت کوئی نظر آیا

منتظر میں وہ نخل ہوں جس میں
غیر شعلہ نہ کچھ ثمر آیا

عمر بھر اس پہ میں موا ہی کیا　　وہ مسیحا بھی دم دیا ہی کیا

عاشقی کے سوا بھی ہم نے اور　　جو کیا کام سو برا ہی کیا

تھا وہ نا آشنا مزاج ولے　　آخرش ہم نے آشنا ہی کیا

گو بھلا یا برا تھا شعر اپنا　　سن کے یاروں نے واہ وا ہی کیا

کر گئے قیس و کوہ کن جو جو　　ہم نے اس سے بھی کچھ سوا ہی کیا

اک نہ اک اس کی زلف درہم سے　　پیچ دل پہ مرے پڑا ہی کیا

شب فرقت میں منتظر ہر دم
شمع ساں آہ دل جلا ہی کیا

یار سے ملتے ہی جدا کر دیا　　کو ہ فلک تو نے یہ کیا کر دیا
عشق بتاں میں مجھے شکل ہلال　　لوگوں نے انگشت نما کر دیا
جاری ہے عالم میں مرا فیض اشک　　گل کو بصد برگ و نوا کر دیا
ہے مجھے شکوہ یہی تجھ سے صبا　　غنچہ صفت دل کو نہ وا کر دیا
لے گئے جو زیر زمیں داغ عشق　　گور میں روشن کیا جا کر دیا
دل تو رہا جان مری در کنار　　میں نے یہ جی تجھ پہ فدا کر دیا
باد خزاں کا ہو برا منتظر
تختہ گلزار ہوا کر دیا

کچھ نالے کا میں اثر نہ جانا　　کرنے تو کیا پہ کر نہ جانا
ہم عشق بتاں میں دے چکے جان　　جانا نہ انہوں نے پر نہ جانا
پھرتے رہے جستجو میں اس کے　　گھر کے تئیں ہم نے گھر نہ جانا
جاتا ہے تو جا شتاب قاصد　　رستے میں ٹھہر نہ جانا
دل ہوویں گے اور بھی پریشاں　　اے زلف سیہ بکھر نہ جانا
بل ہووے کمر میں پڑ نہ جاوے　　کہہ زلف سے تا کمر نہ جانا
مت کیجیو منتظر کہیں عشق
سب کام سے میاں گزر نہ جانا

وہ دل لے کر مکر جانا کسی کا
یہ جی ہی جی میں غم کھانا کسی کا

ستم ہے قہر ہے عاشق کے حق میں
لڑا کر آنکھ شرمانا کسی کا

یہ جی چاہے ہے بس دیکھا ہی کیجئے
عجب مکھڑا ہے من بھانا کسی کا

مرے دل سے جنون قیس پوچھو
کبھی تھا یہ دیوانہ کسی کا

ہمیں جس جام میں ساقی نے دی مے
وہ سر ہے ہم نے پہچانا کسی کا

لگی چوٹ اس کے دل کو جو میں دیکھا
سر اپنے در سے ٹکرانا کسی کا

ہمیں پہروں رلاتا منتظرؔ ہے
وہ ہنسنا بولنا گانا کسی کا

دل نہیں اپنے پاس ہے اس وقت
اس سبب جی اداس ہے اس وقت

میں یہاں بیقرار ہوں اس دم
وہ وہاں بے حواس ہے اس وقت

کچھ نہ کچھ ہم پہ آفت آوے گی
سخت دل پر ہراس ہے اس وقت

غیر کو پاس اپنے بٹھلاتے
یہ تیرا ہم کو پاس ہے اس وقت

راہ میں تم مجھے نہ دو دشنام
یہ بعید از قیاس ہے اس وقت

پھر یونہیں منہ چڑا تو لو صاحب
واہ کیا مکھ پلاس ہے اس وقت

شب ہے اے منتظرؔ نہ گھر سے نکل
اس کے آنے کی آس ہے اس وقت

مری رہتی تھی آگے دم بدم یاد — سبب کیا ہے جواب کرتے ہو کم یاد

نہ لکھا خط نہ قاصد کوئی بھیجا — بھلا دی تم نے میری یک قلم یاد

ابھی چاہو تو مردوں کو جلا دو — مسیحا ہو تمہیں ہیں لاکھ دم یاد

ہمارے حق میں وہ دونوں غضب تھے — ستم کیجے تمہارے یا کرم یاد

میسر آئے ہے جب شادیٔ وصل — کسے رہتا ہے پھر ہجراں کا غم یاد

بطوف کعبہ کیا جاؤں کہ اے شیخ — مجھے آوے گا واں بیت الصنم یاد

ہزاروں ہوگئے عاشق مر گئے یاں
کریں اے منتظر کس کس کو ہم یاد

نون کے باب میں

نزّار تخلص، ایک فقیر تھے۔ یہ ان سے ہے۔

کیا کہئے غرض صبر کا مقدور نہیں ہے   اک زخم نہیں دل پہ کہ ناسور نہیں ہے

نثار تخلص، نام میر عبدالرسول۔ اکبر آباد کے رہنے والے۔

یہ ان سے ہے۔

اس کے تئیں ہماری نہ کچھ یاد ہی رہی
اور اپنے تئیں لطافت فریاد ہی رہی

اس بلبل اسیر کو کیا گل سے راہ و رسم
جو زیر دام منت صیاد ہی رہی

جوں گرد باد ساکن یک جا نہ ہو سکے
اپنی یہ ہرزہ زندگی برباد ہی رہی
دنیا کو جائے عیش سن آئے تھے اے نثار
سو اپنے جینے تک تو غم آبادی رہی

نیاز تخلص، نام محمد امان۔ بزرگ ان کے معمار تھے۔ دلی کی جامع مسجد انہیں کے بزرگوں نے بنائی تھی۔ یہ ان سے ہے۔

ہم سے ہو زر و سیم کی تدبیر سو کیا خاک
دنیا میں بڑی چیز ہے اکسیر سو کیا خاک
منعم تو نہ کر اپنی عمارت کی بزرگی
اک خاک کی پتلی تری تعمیر سو کیا خاک
سو جان و دل اک آن میں مٹتے ہیں تو بو گو
ہم خاک نشینوں کی ہے تصویر سو کیا خاک
نامہ کو مرے پڑھ کے پٹک دے ہے زمیں پر
دیکھی رقم شوق کی تاثیر سو کیا خاک

گرداہلہ مری شکل کا بیٹھے ہے مرے گرد
اب اور میں کھینچوں تری تصویر سو کیا خاک
مجھ سوختہ کے تن میں نہیں بوند لہو کی
جاوے گا مری جان ترا تیر سو کیا خاک
جاتی ہے اڑی گرد نیاؔز اس کی گلی کو
کی عشق نے اس شوخ کی تسخیر سو کیا خاک

نثاؔر تخلص، نام عبد الرسول - جہانگیر آباد کے رہنے والے تھے۔ یہ ان سے ہے -

نے ملاحت کا تری ہندوستاں میں شور ہے
تیرا حُسن بانمک ہر شہر میں مشہور ہے
دل فگاروں کے چمن کو ہے طراوٹ دمبدم
اک طرف ہے چشم تر اور اک طرف ناسور ہے
آج بے ساقی ہماری بزم میں اے مطرباں
بادہ اشک سرخ ہے آہ و فغاں طنبور ہے

سادہ لوحی دیکھئے میری کہ ڈھونڈھوں ہوں اسے
جس کے ہاتھوں شیشہ میرے دل کا چکنا چور ہے

کیا مجھے مطلب ہے صاف و دردِ عالم سے نثار
بادۂ عشقِ بتاں سے دل مرا مسرور ہے

نالاںؔ تخلص، نام میاں عسکری۔ قوم مغل دلی کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

پھنستے ہی دام میں بلبل نے کہا یا قسمت
پھر کبھی گل سے ملا دے گا خدا یا قسمت

رخصت ہونے کا طلب یار سے کی جب ہم نے
پھر پھر آنکھوں کی اشارت سے کہا یا قسمت

ہائے جس وقت میں جانی سے جدا ہوتا ہوں
کیا نصیبوں میں مرے تھا یہ لکھا یا قسمت

دل کی تقصیر مرے کچھ ہی نہیں اے یارو
یہ گنہ جو کیا آنکھوں نے کیا یا قسمت

بیکسی کس سے بیاں زیادہ ہو تیری نالاںؔ
ایک دل تھا وہ بھی اپنا نہ ہوا یا قسمت

ناصر تخلص، نام ناصر علی عظیم آباد کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

جب سے تمہاری انکھیاں عالم کو بھائیاں ہیں
تب سے جہاں میں تم نے دھومیں مچائیاں ہیں

جور و جفا محبت مہر و وفا و الفت
ہم کو گھٹائیاں ہیں تم کو بڑھائیاں ہیں

مِل مِل کے روٹھ جانا اور روٹھ روٹھ رہنا
کیا کیا خرابیاں ہیں کیا جگ ہنسائیاں ہیں

ٹک ٹک سرک سرک کر آ بیٹھے بر میں ناصر
کیا ایچپلائیاں ہیں کیا چھبلائیاں ہیں

واو کے باب میں

وؔلی تخلص، نام مرزا احمد ولی معروف آگاہ شاہ اسرار اللہ کے بھتیجے۔ دلی کے رہنے والے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

اس قد سے جب چمن میں وہ نونہال ہوگا
کیا سرو کیا صنوبر ہر اک نہال ہوگا

آوے گا جب چمن میں وہ مایۂ لطافت
شرمندہ اس کے آگے آب زلال ہوگا

عالم میں جو ہوا ہے طالب تری بھووں کا
اس کے نگین دل پر نقش ہلال ہوگا

ہے اس کے حق میں ہر شب مانند روز محشر
جس کو فراق جاناں سے کا سال ہوگا

معنی کے ہر چمن میں جوں بلبل معانی
تجھ گلبدن کو دیکھے رنگیں خیال ہوگا
جو شمع گل پڑیں گے شرمندگی سے گل ہو
جس انجمن میں حاضر وہ نندلال ہوگا
البتہ وصف تیرا لاویں گے ہر سخن میں
جو شعر میں ولی سا صاحب کمال ہوگا

اے سرو خراماں تو نہ جا باغ میں چل کر
مت قمری و شمشاد کے سودے میں خلل کر
صنعت کے مصور نے شباہت کی صفت پر
تصویر بنائی ہے ترے نور کو حل کر
اے نور نظر شمع کو دیکھوں ہو سراپا
تجھ عشق کی آتش میں وہ کاجل ہوئی جل کر
تجھ ابروے خمدار سے ہرگز نہ پھرے دل
کیوں جائے سپاہی دم شمشیر سے مل کر
اے جان ولی لطف سے آ بر میں مرے آج
مجھ عاشق بے کل سیتی مت وعدۂ کل کر

آیا تو کمر باندھ کے جب جور و جفا پر
میں جی بھی تصدق کیا تجھ بانکی ادا پر

مجھ دیدۂ خونبار میں اک بار قدم رکھ
اے شوخ ترا جی ہے اگر رنگ حنا پر

آنکھیں ہیں یوں خوبان جہاں کی کہ لگی ہیں
بوٹی نہیں نرگس کی صنم تری قبا پر

تشبیہ جو تجھ خط کو دیا مشک سے میں نے
عالم کو آگاہ کیا اپنی خطا پر

دشوار ہے حیرت سے ولی اس کا نکلنا
باندھا ہے جو دل اس رخ آئینہ نما پر

جسے عشق کا تیر کاری لگے ‏ ‏ اسے زندگی جگ میں بھاری لگے

نہ چھوڑے محبت دم مرگ تک ‏ ‏ جسے یار جانی سے یاری لگے

نہ ہووے اسے جگ میں ہرگز قرار ‏ ‏ جسے عشق کی بیقراری لگے

کہ اک وقت مجھ عاشق پاک کو ‏ ‏ پیارے تری بات پیاری لگے

اگر تو ولی سے کہے یہ سخن
رقیبوں کے دل میں کٹاری لگے

آج سرسبز باغ و صحرا ہے — ہر طرف باغ کا تماشا ہے

چہرۂ یار قامت زیبا — گل رنگیں و سرو رعنا ہے

معنیٔ حسن معنیٔ خوبی — صورت یار سے ہویدا ہے

دم جاں بخش نو خطاں مجھ کو — چشمۂ خضر ہے مسیحا ہے

کمر نازک و دہان صنم — فکر باریک ہے معما ہے

مو بمو اس کو ہے پریشانی — زلف مشکیں کا جس کو سودا ہے

کیا حقیقت ہے تجھ تواضع کی — یا تلطف ہے یا مدارا ہے

سبب دلربائی ہے عاشق — مہر ہے لطف ہے دلاسا ہے

جو ولی رات دن ہے محو خیال
جس کو تجھ وصل کی تمنا ہے

کمان ابرو پہ جی قرباں ہوا ہے — دل اس کے تیر کا پیکاں ہوا ہے

بھویں تیغ و پلک خنجر نگہ تیر — یہ کس کے قتل کا ساماں ہوا ہے

مرا دل مجھ سے کر کر بے وفائی — پسند خاطر خوباں ہوا ہے

پیا ہے جام دل سے بادۂ خوں — جو بزم عشق میں مہماں ہوا ہے

عزیزو کیا ہے پروانے کے دل میں — کہ جی دینا اسے آساں ہوا ہے

طبیبوں کا نہیں محتاج ہرگز — جسے درد بتاں درماں ہوا ہے

برنگ گل فراق گلرخاں میں — بہار گلشن ریحاں ہوا ہے

ولی تصویر اس کی جن نے دیکھی
مثال آرسی حیراں ہوا ہے

گلستان لطافت میں ترا قد سرو رعنا ہے
ہمیشہ نازکی اس آب جو میں جلوہ پیرا ہے

عدم ہے تجھ دہن کا جگ میں ثانی اے پری پیکر
اگر بالفرض والتقدیر ثانی ہے تو عنقا ہے

ہوا ہے دلنشیں وہ سرو قامت بسکہ مجھ دل میں
صنوبر گر مرے سائے سے پیدا ہو تو برجا ہے

پریشانی کے مکتب کا معلم اس کو کہہ سکئے
تری زلف پریشاں کا صنم جس سر کو سودا ہے

ولی میری تواضع سے رقیب سنگ دل دائم
پشیماں ہے خجل ہے منفعل ہے سخت رسوا ہے

قد ترا رشک سرو رعنا ہے — معنی ناز کا سراپا ہے
تجھ بھووں کی میں کیا کروں تعریف — مطلع شرح در رمز دا یا ہے
ساقی و مطرب آج ہیں ہمرنگ — نشۂ بیخودی دوبالا ہے

کیوں نہ ہر ذرہ رقص میں آوے جلوہ گر آفتاب یسا ہے

نہ لہے اس کے قد کو دیکھ بیجا سرو ہر چند پائے بجا ہے

چمن حسن میں اگر دیکھے زلف معشوق عشق پیچا ہے

نہ کرے کیوں نثار نقد نماز جن کو تجھ ناز کی تمنا ہے

کیوں نہ مجھ دل کو زندگی بخشے بات تری دم مسیحا ہے

سنبل اس کی نظر میں جا نہ کہے سر زلفوں کا جس کو سودا ہے

ترک کہا اے رقیب فرعونی آہ میری عصائے موسیٰ ہے

اے ولی اس کا کچھ شمار نہیں

زلف ہے یا وہ موج دریا ہے

اس گلبدن کو ہاتھ لگاؤں تو شرط ہے

یہ بات اہل دل کو سناؤں تو شرط ہے

مجھ سے گیا ہے روٹھ اگر سنگدل صنم

میں اس کے پیر پڑ کے مناؤں تو شرط ہے

آوے اگر نہ میری طرف رحم کر سجن

آنکھوں کا فرش کر کے بچھاؤں تو شرط ہے

رغبت کرے وہ شوخ اگر سیر باغ کی
جوں لالہ دل کے داغ دکھاؤں تو شرط ہے

گذرا ہے مجھ پہ درد ستم ہجر میں ترے
محشر میں جا کے حق کو دکھاؤں تو شرط ہے

شاگرد ہو کے گلشن نامی کا اے ولی
سب شاعروں میں دھوم مچاؤں تو شرط ہے

اس سرو خوش ادا کو ہمارا سلام ہے
اس یار بے وفا کو ہمارا سلام ہے
لیتا نہیں سلام ہمارا حجاب سے
اس صاحب حیا کو ہمارا سلام ہے
جز عشق دل کو میرے نہیں اور مدعا
اس دل کے مدعا کو ہمارا سلام ہے
ناز و ادا سے دل کو مرے مبتلا کیا
اس نازنیں میاں کو ہمارا سلام ہے
آرام جان و دل ہے ولی جس کا دیکھنا
اس جان دلربا کو ہمارا سلام ہے

دل کے پرزے ہوئے پر ایک ورق باقی ہے
سب تو آخر ہے کتاب ایک سبق باقی ہے
اب تو اس خواب پریشاں کی یہی ہے تعبیر
غیر فانی ہے مگر جلوہ حق باقی ہے

تجھ کف پا کی خجالت سے ہر اک گلشن میں
پھول پر قطرہ شبنم سے عرق باقی ہے
فرض ہے مجھ کو شب زلف میں مغرب کی نماز
بجھ شہابی لب گلگوں کا شفق باقی ہے
جانے دے اس کو دلی ہجر کی سختی سے یار
آشنائی سے مری جان رمق باقی ہے

وزیری تخلص، نام نواب وزیر علی خان۔ وزیر الممالک نواب آصف الدولہ مرحوم کے بیٹے۔ یہ ارشاد حضور سے ہے۔

جیوں سبزہ رندے اگتے ہیں پیروں کے تلے ہم
اس گردش افلاک سے پھولے نہ پھلے ہم
روتے ہیں شب و روز اسی فکر سے یارب
غنچہ کی طرح باغ میں گل ہو نہ کھلے ہم
ارمان بہت رکھتے تھے ہم دل کے چمن میں
بیٹھے نہ خوشی سے کبھو سائے کے تلے ہم
جس گل پہ نظر کرتے ہیں آتا ہے نگہ خار
گلشن کے تلے جاتے ہیں کانٹوں میں رلے ہم

ہم وہ نہ قلم تھے کسی مالی کے لگائے
نرگس کے نہالوں میں تھے آصف کے پلے ہم

افسوس کہ اس دل کا کنول کھلنے نہ پایا
کوئی دن کو چلے جاتے ہیں ماٹی میں ملے ہم

اس پہلے ہی آغاز میں پامال ہوئے ہائے
فریاد کروں کس سیتی قسمت کے جلے ہم

دکھ اپنا عبث کہتے ہیں بیدرد کے آگے
بے بس ہو جہاں آگرے ہرگز نہ ٹلے ہم

زندان مصیبت میں بھلا کس کو ملاویں
رہتے ہیں وزیری ستی دن رات ملے ہم

واؔلی تخلص، نام منشی محمد والی۔ پنڈولی کے رہنے والے۔ اب ہوگلی میں ہیں۔ ان سے ہے۔

کیا پوچھتے ہو یارو حال تباہ میرا — بے مہر ہو گیا ہے وہ رشک ماہ میرا
رگ رگ میں میری خواہش تجھ زلف کی بھری ہے — نشتر لگے تو نکلے لو ہو سیاہ میرا
تیری یہ کم نگاہی اور میرا یہ تڑپنا — ظالم بتا تو کیونکر ہوگا نباہ میرا

گھر سے نکل کے باہر یہ بھی کبھی نہ پوچھا　　بسمل کدھر پڑا ہے وہ بے گناہ میرا

محشر کا ہول مطلق اتنا نہیں ہے کہ تجھ کو

ہے گا حسین و آلی پشت پناہ میرا

دلاؔ تخلص، نام مرزا لطف علی عرف مظہر علی خاں، خلف سلیمان علی خاں عرف مرزا احمد زمان و داد ابن محمد حسین بخطاب علی قلی خاں۔ دلی کے رہنے والے ہمیشہ عمدہ روزگار رہے۔ بالفعل کلکتہ میں تشریف رکھتے ہیں اور اس خاکسار پر نہایت مہربانی فرماتے ہیں۔ ان سے ہے۔

ہمدم فقط نہ مجھ کو ہی اس گل نے غش کیا

آیا جو انجمن میں تو بس کل نے غش کیا

نے مشک چین نہ عنبر سارا کی تھی شمیم

مجھ کو کسی کی نکہت کاکل نے غش کیا

آیا چمن میں کون سا گل یک بیک کہ یاں

ہر گل کی جیب چاک ہے بلبل نے غش کیا

مدہوش ہوں میں نرگس بدمست سے تری

ساقی نہ مجھ کو کچھ قلقل مل نے غش کیا

یک قطرہ خون نہیں جگر و دل میں یاں میرے
مجھ کو اشک خوں کے تسلسل نے غش کیا

اتنا بھی عندلیب نہ شور و فغان کر
اہل چمن کو تو ترے اس غل نے غش کیا

عالم نہ سکتے کا ہے فقط اپنا ہی ذلا
عالم کو اس کی شان تجمل نے غش کیا

زلفوں میں جا اسی کی دل زار بندھ گیا
چھٹتے ہی آہ پھر نہ گرفتار بندھ گیا

اس مہروش کے چہرے پہ دونی نمود ہے
جس دم کہ اس کا طرہ طرار بندھ گیا

تاثیر کی تھی جذبہ دل نے مرے مگر
اس گل کے آتے ہی لب اظہار بندھ گیا

تھی ایک دل کی خواہش اسے دیکھئے یہ لطف
لاکھوں دلوں کا کوچے میں انبار بندھ گیا

اس برق وش کی یاد میں رویا ہوں یاں تلک
مینہ کی جھڑی کی طرح سے اک تار بندھ گیا

آئینہ رو کے سبزۂ خط کی نمود سے
ہر دل پہ شکل آئینۂ زنگار بندھ گیا

مژدہ دوبارہ رندوں کو ہو شیخ دیں فروش
کل شیطنت سے پھر سر بازار بندھ گیا

ہوش و حواس اڑ گئے فی الفور لے ڈلا
دل میں خیال یار جو اک بار بندھ گیا

جن روز دن میں یہاں کبھی وحشت کا جوش تھا
ہر خار خون پا سے مرے گل فروش تھا

کل جلوہ گر تھا کون سا غارت گر خرد
دیکھے سے جس کے خلق کو اپنا نہ ہوش تھا

نکلا جو تیغ لے وہ سبک دست ہاتھ میں
سر اپنا تو ہر ایک کو پھر بار دوش تھا

جلوے سے اس کے حسن کے عالم تھا بسکہ محو
دیکھا اس انجمن میں جسے وہ خموش تھا

سننے کو عندلیب کے نالے چمن میں کل
جس گل کو دیکھتا تھا سراپا وہ گوش تھا

اللہ رے یہ گرمی آہ شرارہ بار
کام و دہان ولب مرا ہمخانہ جوش تھا
شاید ذکا پھر آیا ہے کوچے میں اس کے کل
شور و فغان و نالہ و جوشش وخروش تھا

دیکھ کر نوح کہے دیدۂ گریاں میرا
گرہی گریہ ہے تو گرد ہے طوفاں میرا
کر دیا تختہ دامن کو یہاں تختہ باغ
کب رگ ابر سے کم ہے سر مژگاں میرا
چرخ خرمن سے خبردار ہو اپنے کہ یہاں
نکلے ہے سینے سے اب شعلۂ افغاں میرا
کن کو پروائے گلستان وہوائے گل ہے
جس جگہ ہووے وہ گل دیدہ گریاں میرا
محفل آئینہ رویوں میں نہیں کچھ معلوم
منتظر کس کا ہے یہ دیدۂ گریاں میرا
داغ دل درد جگر سوزش جاں رنج فراق
یہی اسباب ہے اور ہے یہی ساماں میرا
کیجیو سورۂ یوسف کو ذکا پڑھ کے دم
گر نظر آوے وہ رشک مہ کنعاں میرا

جلوۂ حسن سے یہ کس کے ہے زیبا رخ صبح
کہ ہے آئینہ دل سے بھی مصفا رخ صبح
اک نظر دیکھے اگر رنگ صفات ترا
ہووے سو رنگ سے گلزار میں پھیکا رخ صبح

پردۂ شرم سے منہ کو نہ نکالے باہر
بے حجابانہ اگر دیکھے یہ مکھڑا رُخ صبح

پہنچا کب حسن و ادا کو ترے اے رشک بہار
ہے بگلزار جہاں گو یہ مکھڑا رُخ صبح

دل فریبی کو جو کچھ تجھ کو دیا زیور حسن
قلم صنع نے ایسا نہ بنایا رُخ صبح

شب فرقت کا بیاں کیا کروں اس کی ہمدم
وصل کا آج تلک جس کے نہ دیکھا رُخ صبح

حق نے وہ حسن و جمال اس کو عطا فرمایا
جس کے تلووں کی صفا کو نہیں لگتا رُخ صبح

جو نظر باز ہیں ہر صبح یہی کہتے ہیں
جلوۂ رخ کے ترے آگے ہے پھر کیا رُخ صبح

وہ نہیں رنگ رُخ عشاق سا اڑ جاوے رنگ
روبرو اس کے دلا کیجیۓ اگر وا رُخ صبح

سر سبز نہ ہو آگے ترے پیکر طاؤس
ہر داغ مرے جسم کا ہے افسر طاؤس

کھولوں دل پر داغ کا اپنے جو سفینہ
ہو درہم برہم وہیں سب دفتر طاؤس

ہے باغ وبہار آنکھوں میں اپنی تو تبھی سے   جب سے قلم صنع ہے صورت گر طاؤس
جلوہ یہ ترے حسن کا ہے یار جسے دیکھ   سر سبز نہ ہو نقش و نگار پر طاؤس
رفتار کے جلوے نے کہو کس کے جلایا   برباد جو اس رنگ ہے خاکستر طاؤس
طوطی ہی نہ گویائی سے اس کی جو خجل ہے   زیبائی جو دیکھو تو ہے غارت گر طاؤس
دہ لیلی کو کوئی نہ مرے یار سے نسبت   کیا مرتبہ زاغ ہو جو ہو ہمسر طاؤس
ہوں زخمی سرشار میں اس تیر نگہ کا   کوئی باندھے مرے ہاتھ میں لاکر پر طاؤس
ہے کس کے سراپائے نگاریں کا تصور   دُرریز نظر آتی جو ہے چشم تر طاؤس
اک ذرہ تری خاک کف پا کو نہ پہنچے   چمکے فلک حسن پہ گر اختر طاؤس

پامال خرام اس نے کیا کبک کو کب کا
ہوتا ہے دلا دیکھئے اب جو سر طاؤس

شبنم فقط رہے ہے نہ گریاں برائے گل
بلبل سدا کرے ہے نوا ہائے ہائے گل
یہ موسم بہار میں ہے شورش جنوں
ہے چاک سو جگہ سے جگر جوں قبائے گل
ہر شاخ گل پہ پھول کے بلبل نہ پھول بیٹھ
ٹک غور کر کے دیکھ نہیں کچھ بقائے گل

موج نسیم ہو گئی زنجیر پاؤں میں
جو الفت چمن میں ہوا آشنائے گل

کچھ عندلیب گل پہ نہ شیدا ہوئی ہے آج
اے باغباں ازل سے ہے وہ مبتلائے گل

آثار کچھ خزاں کا نہ آوے کہیں نظر
ہووے جہاں میں جس گھڑی نشو و نمائے گل

پوچھے ہے ہمصفیر خبر کیا چمن کی تو
ہیں خار و خس تمام وہاں اب بجائے گل

نیرنگیٔ فلک سے جگر داغ ہو گیا
کیا کیا ملائے خاک میں افسوس ہائے گل

دل بستگی نہ کر چمن دہر میں ذکا
آتی نہیں مشام میں بوئے وفائے گل

یاد میں اس کی کون سا دل جو مثل جرس نالاں نہیں
چشم نظارہ کس کی یہاں اب آئینہ ساں حیراں نہیں

ایک نگہ اس ماہ جبیں کو دیکھا ہے جس نے اس کا تو
دیدۂ گریاں سینہ ہے پر یاں ہوش نہیں اوسان نہیں

کاکل مشکیں رشک سنبل عارض گلگوں غیرت گل
قد کو نسبت سرو سے دوں پر اس میں تو یہ شان نہیں

دست نگاریں دیکھ کے ڈوبا پنجۂ مرجاں دریا میں
ساعد کی حرکات سے اس کے شاخ گل میں جان نہیں

چشم خماریں دیکھ اس گل کی باغ جہاں میں اے یارو
حیرت ہے اک عالم کو کچھ نرگس ہی حیران نہیں

چیں بہ جبیں ہو دیکھ کے ہم کو واشد ہو تم غیروں سے
نظروں سے پیدا ہے تمہاری جھوٹھ نہیں بہتان نہیں

معجز عیسیٰ کیوں نہ کہوں میں طرز سخن سے اس کے تو
احیا کرنا موتیٰ کا دشوار کسی عنوان نہیں

آئینہ رو مغرور ہے یاں تک حسن پہ اپنے اے ہمدم
چشم خلائق محو تماشا اس کا کسی پر دھیان نہیں

بزم میں اپنی بیٹھ کے ہم کو جو جو کچھ تم کہتے ہو
ہم پر گو ہموار ہوا سب آپ کے یہ شایان نہیں

تیر نگہ اس صید افگن کا ایسا زہر آلودہ ہے
زخمی اس کا جاں بر ہووے ہرگز یہ امکان نہیں

صورت پر موقوف نہیں شرط بڑی ہے گرمی بھی

دلبر اسے بیجا ہے کہنا جس میں ادا و آن نہیں

کون سنتے ہے کس کنے جا کر حال دل اپنا عرض کرے

تیرے سوا تو کوئی دلا کا جان نہیں پہچان نہیں

غصہ سے مری جان نہ تو چیں بہ جبیں ہو

رنجیدہ تری خاطر نازک نہ کہیں ہو

اے سادہ رو عیاری کی یہ وضع بھلی ہے

کہ مہر تو ظاہر میں نہاں درپے کیں ہو

زینت دہ کاشانہ دل وہ نہ ہوا آج

تھی آرزو اپنی یہ مکاں اور وہ مکیں ہو

بیتاب کرے جبکہ تجھے عشق کسی کا

اس وقت تڑپنے کا مرے تجھ کو یقیں ہو

تسخیر پری رویوں کی بیٹھے ہوئے کیجئے

گر ملک سلیماں کی طرح زیر نگیں ہو

ہاروت نمط کیوں نہ چہ عشق میں ڈوبوں

جب زہرہ جبینوں میں وہ اتنا ہی حسیں ہو

ہو سیر چمن سے اسے تفریح نہ ہمدم
جو غنچہ صفت تنگ دل اور آہ حزیں ہو

یاں کام تمام اپنا نظر آئے ہے یارب
جب تک کہ لب لعل سے دور اُس کے نہیں ہو

طاؤس کی جا جلوہ گری زاغ کرے ہے
سیمرغ صفت جا تو دلا گوشہ نشیں ہو

بھرے رہتے ہیں چشم و دل لہو سے کسے مطلب ہے جام و سبو سے
رہے خنداں خوشی سے نت جو اکبار لب زخم جگر وہ تیغ چو سے
تحمل کر نہ لگ چل اس سے ہر دم دلا واقف نہیں تو اس کی خو سے
نہ منکر قتل سے میرے ہو ظالم کہ تیری آستیں تر ہے لہو سے
نہیں اب زخم دل کو روئے بہبود بھلا کیا سود مرہم اور رفو سے

جب تک کہ اپنا دم قدم ہے
نہ باز آدیں گے اس کی جستجو سے

جاتے ہیں بزم سے تیری دل مایوس لئے
کوئی اس یاس میں کس طرح سے افسوس جئے

کیوں خمار آنکھوں میں ہے بات میں کیوں بہکے ہو تو
مئے نہیں آتا جو اسے آفت ناموس پیئے
دل گم گشتہ کا پایا نہ کسی ڈھب سے سراغ
اب تعین اس پہ بہت ہم نے تو جاسوس کیئے
ہے غلط سینہ مرا صفحہ طاؤسی سے
تو نے یہ داغ اب اے غیرت طاؤس دیئے
دھجیاں کیسی گریباں کی کروں اس کے دلا
آ کے ٹک جیب مرا ناصح سالوس سیئے

ہے کے باب میں

ہوس تخلص، نام میرزا تقی خاں۔ نواب مرزا علی خاں کے بیٹے۔ نواب اسحاق خاں کے پوتے۔ اب لکھنؤ میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہ ارشاد ان کا ہے۔

اگرچہ ہجر کا ڈر وصل یار میں بھی تھا
پہ کچھ قرار دل بیقرار میں بھی تھا

تمام عمر جو تھا جوشش شور وحشت عشق
موئے پہ ولولہ اپنے قرار میں بھی تھا

اٹھا جو خاک رہ قیس سے بگولا سا
اک اضطرار سا پیدا غبار میں بھی تھا

فقط نہ سنگ ہی کچھ آبلوں سے سرخ ہوئے
لہو بھرا مرا ہر نوک خار میں بھی تھا

اگرچہ آج ہے بالین سنگ و بستر خاک
کبھی تو سر مرا آغوش یار میں بھی تھا

زبسکہ تھا مجھے خطرہ تنگ مزاجی کا
بگڑ ہی جانے کا غم اس کے پیار میں بھی تھا

رواں ہیں اشک مرے جس طرح بہ جوش و خروش
یہی سماں کبھی سیل بہار میں بھی تھا

زبسکہ آٹھ پہر تھا مجھے تصور یار
مزا وصال کا ایک انتظار میں بھی تھا

گزشتگاں کے زمانے کا تم نہ وصف کرو
یہی غم و الم ان روزگار میں بھی تھا

ہوس کا دل ترے جانے سے اب ہے منزل غم
کبھی خوشی کا گزر اس دیار میں بھی تھا

نزع میں ہم نے عجب طرح سے دل شاد کیا
آئی ہچکی تو کہا کس نے ہمیں یاد کیا

دل نہ مانے تو بھلا اس کے تئیں کیا کیجیے
میں تو مانا مجھے ناصح نے جو ارشاد کیا

ہم وہ مشتاق قفس ہیں کہ گلستاں میں نسیم
جب اُڑے رو طرف خانہ صیاد کیا

خاک بھی رہنے نہ دی اس کی گلی میں میری
مجھ کو اے بادِ صبا تو نے تو برباد کیا

رہ گیا دیکھ کے حیران میں اسے شیریں نے
لا حوالے مرے جب تیشہ فرہاد کیا

بال و پر جھڑ گئے جب کنج قفس میں میرے
ہے ستم تب مجھے صیاد نے آزاد کیا

غرق خوں ہو گئی خسرو کی شبیہ اک دم میں
تو نے کیا کام یہ اے خنجر فولاد کیا

فی الحقیقت وہ رخ قد کی طرف تھا تیرے
ہم نے جو سجدہ بہ پائے گل و شمشاد کیا

جس سے کل خون میں ڈوبا قفس اے مرغ اسیر
تو نے پھر آج وہی زمزمہ بنیاد کیا

حشر کے دن بھی ہوس کچھ نہ ملی داد ہمیں
خوش نصیبی تھے عجب ہم پہ یہ بیداد کیا

مرضِ عشق حد کر چکا دیکھا جس کو دیکھا سو جاں بہ لب دیکھا

تہمت دید ہم پہ ناحق ہے کون کہتا ہے ہم نے کب دیکھا

پیار سے میں جو کی نظر مجھ کو اس کی آنکھوں نے بھی غضب دیکھا

روز و شب دیکھتے رہے لیکن روز دیکھا نہ اس کو شب دیکھا

وہی عالم نظر پڑا اس کا ہم نے اس رشک گل کو جب دیکھا

برگ گل لوٹتا ہے کیوں خوں میں اس نے کس نازنین کا لب دیکھا

اے ہوس کیا بیان حسن کروں

اس کا عالم میں کچھ عجب دیکھا

عشق کا جب خیال رہتا ہے ہم کو کتنا ملال رہتا ہے

دل ناداں کو اس کے ملنے کا نت خیال محال رہتا ہے

بسکہ محو خیال یار تھا میں خواب میں بھی وصال رہتا ہے

نوجوانی میں دید خوباں کا شوق ہم کو کمال رہتا ہے

ان دنوں ہے ہوس کا رنگ کچھ اور

آگے چہرہ بحال رہتا ہے

دل کا مرے کام ہو چکا اب قصہ ہی تمام ہو چکا اب

بیٹھے ہیں جو اس کو غیر گھیرے تو اپنا سلام ہو چکا اب

انکار سے کیا تمہارے صاحب بندہ تو غلام ہو چکا اب

اب تک نہ بھر اگیا تو ساقی لبریز یہ جام ہو چکا اب

تو یار ہوس کا ہے مری جاں سب میں ترا نام ہو چکا اب

نقارۂ کوچ پر صدا ہے چل یاں سے مقام ہو چکا اب

وحشت ہے ہوش یہی گر اس کی

تو تجھ سے وہ رام ہو چکا اب

ہنستے تھے میرے حال کو جو یار دیکھ کر

ان سب نے رو دیا مجھے بیمار دیکھ کر

سب ہم صفیر چھوڑ کے تنہا چلے گئے

کنج قفس میں مجھ کو گرفتار دیکھ کر

کیا جانیں کیا غضب ہے یہ جادو بھری نگاہ

غش کر گیا ہوں میں جسے اک بار دیکھ کر

خون جگر کے ساتھ کہیں جی چلا نہ جائے

رونا ذرا تو دیدۂ خونبار دیکھ کر

گو تھا وہ خوش خرام یہ کبک دری کا پاؤں

رستے میں رہ گیا تری رفتار دیکھ کر

کھا رحم باغباں نے بھی اک بار رو دیا
دامن میں میرے گل کی جگہ خار دیکھ کر

اپنے ہوس یہ جیب سے کہ تو مہرباں ہوا
جلتے ہیں رات دن اسے اغیار دیکھ کر

دمبدم تو نہ کر فغاں بلبل　　گل نہ ہو تجھ سے سرگراں بلبل
جس میں تو اپنا سود سمجھے ہے　　ہے اسی میں ترا زیاں بلبل
میرے گل تو بات سن چپ رہ　　سن چکے تیری داستاں بلبل
فصل گل تک تھی ساری کیفیت　　گل کہاں اور اب کہاں بلبل

اتنی بھی تو نہ کر ہوس گل کی
مت اجڑوا تو آشیاں بلبل

ترے در سے گر اب کے اٹھ جائیں گے ہم　　تو پھر منہ کسی کو نہ دکھلائیں گے ہم
تری عقل سے یہ تو ہے دور ناصح　　گریباں کو اپنے سلوائیں گے ہم
قیامت یہ بھاتا ہے اس گل کا کہنا　　ہمیں اب تو جانے دو پھر آئیں گے ہم
مجھے خواب میں آکے تصویر اس کی　　کہے ہے تجھے خوب ترسائیں گے ہم

ہوس دیکھ آئے ہیں اس کی کفک کو
ان آنکھوں سے اب خون برسائیں گے ہم

عدم سے ترا شوق لایا ہمیں　　غرض تو نے یہ دن دکھایا ہمیں

قفس ہی میں ہم کو گئی فصل گل　　چمن تک کوئی لے نہ آیا ہمیں

ملا تو نہ اور گردش چرخ نے　　بہت جستجو میں پھرایا ہمیں

لیا اس نے ہنس کر جدائی کا نام　　ہنسی ہی ہنسی میں رلایا ہمیں

پھنسا ہی تھا دل زلف میں آہ وش
خدا ہی نے واں سے چھڑایا ہمیں

بیٹھے بٹھائے ناحق لگتا ہے روگ جی کو
یارب کبھو کسی سے الفت نہ ہو کسی کو

صحرا میں ناقہ تنہا جاتا ہے بیگانہ
شاید سنا ہے اس نے مجنوں کی بیکسی کو

دوری سے رو دو میں کیا ہم یاران رفتگاں کی
اک دن سفر جہاں سے درپیش ہے سبھی کو

ہم سے کبھی یا وہ الفت بیزار یا ہوئے یوں
کہتے ہیں کیا مری جاں اس دوستی کو

جب شال سرخ اوڑھی اس نے ہوش میں اس دم
دیکھا شفق میں پنہاں خورشید خاوری کو

ہجر کی رات ہم پہ بھاری ہے ۔۔۔ حالت اضطرار طاری ہے

حال بیمار عشق مت پوچھو ۔۔۔ اب تو ہر دم نفس شماری ہے

پہنچی شاید شب وصال قریب ۔۔۔ خود بخود دل کو بیقراری ہے

عشق میں دیکھو صفت فرہاد ۔۔۔ سنگ سے جوئے شیر جاری ہے

ناقہ ٹھہرا ذرا تو اے لیلےٰ ۔۔۔ قیس نالاں پس عماری ہے

ہو نہ غافل سرائے دنیا میں ۔۔۔ چیت یہ جائے ہوشیاری ہے

ان دنوں اے ہوس مرے ہمراہ ۔۔۔ ق ۔۔۔ نالہ و درد و آہ و زاری ہے

آہ کیونکر زباں کو بند کروں

زخم شمشیر عشق کاری ہے

ہادی تخلص، نام میر جواد ۔ دلی کے رہنے والے ۔ یہ ان سے ہے ۔

میں کہا غیر کنے مت جا تو کہا تجھ کو کیا

کر نہ تو آپ کو رسوا تو کہا تجھ کو کیا

روبرو میرے دیئے غیر کو اس نے بوسہ

میں جو پوچھا کہ یہ ہے کیا تو کہا تجھ کو کیا

سر کو ملتا ہے ترے پانوں پہ رکھ رکھ ہادی

میں کہا کچھ اسے فرما تو کہا تجھ کو کیا

ہاشمی تخلص، نام میر ہاشمی۔ شاگرد مرزا رفیع السودا کے تھے۔ یہ ان سے ہے۔

مرا سو بار اس تک نامہ پر آرزو پہنچا
پر ادھر سے جواب صاف پہنچا جب کبھو پہنچا

کیا افشا تمہیں نے راز عشق اے دیدۂ گریاں
بہ گوش خلق ورنہ کس طرح یہ گفتگو پہنچا

دماغ آشفتہ ہوتا ہے صبا سنبل کی نکہت سے
مشام آرزو میں تو کسی کاکل کی بو پہنچا

یہ دعوے سب کے باطل محکمے میں ہاشمی ہوں گے
اگر حاکم تلک وہ شوخ بار و ئے نکو پہنچا

بیلے کے باب میں

یقینؔ تخلص، نام انعام اللہ خاں۔ اظہر الدین خاں کے بیٹے۔ مرزا جانجاں کے شاگرد اور موجد ریختہ۔ دلی کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے۔

سر بر سلطنت سے آستان یار بہتر تھا
ہمیں ظل ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا

مجھے زنجیر کرنا کیا مناسب تھا بہاراں میں
کہ گل ہاتھوں میں اور پاؤں میں میرے خار بہتر تھا

مجھے پھر دکھ دیا تو نے منڈا کر سبزۂ خط کو
جراحت کو مرے وہ مرہم زنگار بہتر تھا

ہمیں نے ہجر سے کچھ وصل میں دھڑکے بہت دیکھے
خدا شاہد کہ اس راحت سے وہ آزار بہتر تھا

مرا دل مر گیا جس دن کہ نظارے سے باز آیا
یقیںؔ پرہیز گر کرتا تو یہ بیمار بہتر تھا

رباعیات

تمام رات کٹی اشتیاق میں یارو — عجب طرح کا مزہ ہے فراق میں یارو
اگر وہ کیفی بدمست میرے گھر آوے — یہ شیشہ دل کا اٹھا رکھیو طاق میں یارو

چلتے ہیں زبس عشق کے دل پر چلے — اب تو ہی بتا غریب کیونکر دم لے
پیتے ہی نہ ہو گیا تو آخر بدمست — کہتا نہ تھا تجھ کو اے دوانے کم لے

ایسے جینے سے اب ہے مرنا بہتر — دنیا کے مزوں سے درگزرنا بہتر
اب خراب ہو کے آخر سوچے — سب چھوڑ کے یاد حق کی کرنا بہتر

تعریف خط یار کی سب مل کہا کرو — توصیف اس کے خال کے تل تل کہا کرو
لڑکا ہے اس کی شان میں آیت یہی ہے بس — چھوٹے سے منہ کو حمائل کہا کرو

کسی کی شب وصل روتے کٹی ہے — کسی کی شب ہجر روتے کٹی ہے
ہماری یہ شب کیسی آئی الٰہی — نہ سوتے کٹی ہے نہ روتے کٹی ہے

کیوں اے دل کس کی اضطرابی ہے　　کس کے گھر جانے کی یہ شتابی ہے
دیکھ فدوی نہ مل کسی سے تو　　لگ گیا دل تو پھر خرابی ہے

طبیعت کو اگر کچھ درد پہنچے　　مدد کو وہ نہیں آہ سرد پہنچے
مثال توتیا آنکھوں میں رکھ لوں　　اگر تیرے قدم کی گرد پہنچے

شمع ساں شب کے یہاں ہیں ہم　　صبح ہوتے ہی پھر کہاں ہیں ہم
وہ رواں ہو جہان سے اے درد　　ہستی اپنی سے بے نشاں ہیں ہم

بلبل کو ساری رات سوتے گذری　　یہ کہتی رہی اور اس کو روتے گذری
خون کس کا لگا ہے گل کے دامن سے ہائے　　شبنم کو ساری رات دھوتے گذری

اے درد بہت پر کھا ہم نے　　دیکھا تو عجب یہاں کا لیکھا ہم نے
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ　　جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

اے درد بہت تونے ستایا ہم کو　　بے درد بہت تونے ستایا ہم کو
اک جان رہی ہے باقی سو بھی　　لے درد بہت تونے ستایا ہم کو

رنگ رلیاں گل سیتی منائے بلبل　　شادیانہ وصل کے بجائے بلبل
کوئی دم میں کھڑا ہے سر پہ صیاد قضا　　دل کھول کے خوب چہچہائے بلبل

محروم ہم ہوں محرم اسرار ہو کوئی　　خلوت میں ہو کوئی پس دیوار ہو کوئی
راتوں کو تیرے کوچے میں تنہا تو ہوں ولے　　دھڑکے ہے دل پڑا کہ نہ بیدار ہو کوئی

آتا ہے دل میں آج کہ جی بھر کے سوئیے   جتنے ہیں داغ دل میں سب آنسو سے دھوئیے
جو داغ خوش نما ہو اسے کیونکے دھوئیے   پلکوں سے تار باندھ کے آنسو پروئیے

دیکھا جو کل اس نے میرے جی کا کھونا   اور آہ سرد کھینچ ہر دم رونا
جھنجھلا کے مسکرا کے چپکے سے کہا   آسان نہیں کسی پہ عاشق ہونا

بلبلو مل کے چلو زمزمہ بنیاد کریں   طرف گلشن کے چلو نالہ و فریاد کریں
آہ ہم بیٹھ کے کس کس کے تئیں یاد کریں   غم مجنوں کریں یا ماتم فرہاد کریں

مری آنکھوں میں بستا ہے مجھے تو کیوں رلاتا ہے   سمجھ کر دیکھ تو اپنا کوئی گھر بھی ڈباتا ہے
میسر ہو اگر محراب تیرے تیغ ابرو کی   طرف کعبہ کے سجدہ پھر تو کس کافر کو بھاتا ہے

خوب رد کو تو وار دیکھیں تو   کر دے سینہ کے پار دیکھیں تو
پشت پہ میرے شاہ مرداں ہیں   چل تو اب ذوالفقار دیکھیں تو

جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے   درد بے اختیار اٹھتا ہے
تیرے دھوکے سے یہ دل ناداں   ہر کسی کو پکار اٹھتا ہے

ہم تم سیتی کہتے ہیں کہ آدم کہو کیا ہے   اس اربع عناصر میں رواں دم کہو کیا ہے
منصور کے حق کہنے کو باطل کیا تم نے   اب ہم نہیں کہتے ہیں بھلا تم کہو کیا ہے

وہ قافلے آگے کے شاید کہیں ٹھہرے ہیں   آواز جرس گم ہے یا کچھ ہمیں بہرے ہیں
کشتی نہیں طاقت اور پار اترنا ہے   پایاب نہیں ملتا سب گھاٹ پہ گہرے ہیں

کوہکن سے نہ بول اسے پرویز　　اس کے تیشے کی بھی زباں ہے تیز
ساقی اب سب پکارتے ہیں گے　　تیرے ہاتھوں سے یاں بریز بریز

آئینہ عرض کرے گا تری حیرانی کو　　زلف کچھ کان میں کہہ دے گی پریشانی کو
دم شمشیر میں قاتل کے عجب لذت ہے　　سب شہیدوں نے اسی گھاٹ پیا پانی کو

جو توڑ کعبہ کو کافر بنائے دیر کرے　　دل اس کے ہاتھ دیا ہے خدا ہی خیر کرے
خدا قبول کرے شعر تیرے اے رونق　　تو حج کعبہ کرے یا طواف دیر کرے

ہم بیٹھے ہیں تو قتل کو پیارے آرے　　عاشق ترے کہلاتے ہیں آرے آرے
باہر نہ رکھیں گے کوچۂ عشق سے پاؤں　　چل جائیں اگر سر پہ ہمارے آرے

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے　　تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے
دل بھی سیکھا ہے یار کے سے ڈھنگ　　آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

قاصد کی سنی ہوگی زبانی تو نے　　اور ہجر کی میری سب کہانی تو نے
اس پر بھی تجھے رحم نہ آیا ظالم　　افسوس مری قدر نہ جانی تو نے

ہم سے دلدار نے برائی کی　　ہائے یہ تھی سزا بھلائی کی
پہلے یہ وعدے کئے ہم سے　　آخر ش کیا ہی بے وفائی کی

قسمت میں لکھا ہے سر کو غم سے دھننا　　ہر ایک بھلے برے کی باتیں سننا
اب ہجر میں تیرے یہ رہا ہے باقی　　سودا زدہ ہو سڑک پہ تنکے چننا

کسی نے راہ میں اس کی اگر قدم مارا
تو آپ ہی عقل کی فہرست پر قلم مارا
اسی نے تج دیا ناموس و ننگ کو اپنے
کہ جس نے ذرہ بھی خواہش میں اسکی دم مارا

ہے شوخ کا مار زلف کالا کافر
حلقہ مارے ہے جس پہ یہ بالا کافر
اس چشم پہ آنکھ پڑتے ہی میں نے کہا
جادو برحق ہے کرنے والا کافر

کس کس کوچے میں عشق لایا ہم کو
کیا کیا غم درد دکھ دکھایا ہم کو
منظور اگر یونہیں دل آزاری تھی
سوتے تھے عدم میں کیوں جگایا ہم کو

یہ جور و جفا یہ بیوفائی کب تک
بس کیجئے پاس آشنائی کب تک
ہوتا ہے کوئی حسن پہ اتنا مغرور
دیکھیں تو رہے گی یہ خدائی کب تک

نہ دن کو قرار بے قراری کے سبب
نہ چشم میں خواب اشکباری کے سبب
واقف نہ تھے ہم ان بلاؤں سیتی
جو کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

چاہ میں کس کس کی جی ڈبو بیٹھے
آہ ہم کیسے جی کو کھو بیٹھے
کیوں امانی گیا نہ آخر دل
کف افسوس اب ملو بیٹھے

دنیا ہے دنی کو جو کہ فانی سمجھے
وہ قصۂ عمر کو کہانی سمجھے
دریائے حقیقت کو وہی جاوے پیر
جو مثل حباب زندگانی سمجھے

جو قتل کئے تیغ کی اس کے ہوں گے
وہ مر ہی گئے ہوں گے نہ سسکے ہوں گے
باتوں میں نہ بھول خوبرویوں کی تو
یہ کس کے ہوئے ہیں اور کس کے ہوں گے

ہم عشق کے عاشق ہیں دیوانے کے دیوانے کچھ شمع سے مطلب نہیں پروانے کے پروانے
ہنسنے کو تو وہ جانے جو لعل اگلتے ہیں آنسو کے ٹپکتے ہیں دردانے کے دردانے

اگر ہم سے تمہارا دل پھرا ہے تو بہتر ہے ہمارا بھی خدا ہے
ہماری کچھ نہیں تقصیر لیکن تمہیں کو سب کہیں گے بیوفا ہے

منہ اپنا نہ دکھا کر ہو جاوے گا دیوانہ آئینہ کو کہتے ہیں اے شوخ پری خانہ
عاشق ہوں میں جی میرا دا توں ترے گھر پر پھرتا ہے پڑا جیسے فانوس پہ پروانہ

میں اپنے درد دل کہنے کے صدقے ترے سننے اور چپ رہنے کے صدقے
ترے بیدرد کے پالے پڑا ہے ارے دل تیرے دکھ سہنے کے صدقے

یار کا دھیان ہم نہ چھوڑیں گے اپنی یہ آن ہم نہ چھوڑیں گے
بن لئے بوسہ آج تو تجھ کو مان مت مان ہم نہ چھوڑیں گے

جان و دل بیقرار ہے تجھ بن سخت یہ انتظار ہے تجھ بن
دیدۂ و دل کو کس سے بہلاؤں دوسرا کون یار ہے تجھ بن

خدا جانے صنم آوے نہ آوے بھروسا کیا ہے دم آوے نہ آوے
دوانے سیر کر لے اس چمن کی یہاں کو پھر قدم آوے نہ آوے

ایوان عدالت میں تمہارے اے شاہ رتبے کو ترے بس ہے محمد سا گواہ
معراج میں بخشیہ بداللہ ہی سے ظاہر ہوا تیرا قرب اللہ اللہ

اتنا پیغام درد کا کہیو جو صبا کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آن ملیے گا دن بہت انتظار میں گذرے

اس زمانے کے آشنا معلوم لیک فریاد جانفزا معلوم
تالی باجے ہے دونوں ہاتھوں سے ورنہ اک ہاتھ کی صدا معلوم

اتنا نہ غرور خوبروئی کیجیے عاشق سے نہ اتنا ہرزہ گوئی کیجیے
آوے گا جو دل میں سو کرے لیکن مقدور رہو جب تلک نکوئی کیجیے

روتے روتے نہ رہا نام کو نم چشموں میں آبرو کیونکے رہے گی مری ہم چشموں میں
جی نکلتا ہے تجھے دیکھے بغیر او پیارے دیکھنے کے لئے اٹکا ہے یہ دم چشموں میں

کیا حال ہوس کا کہوں میں تجھ سے آہ غم میں ترے یار اس کی حالت ہے تباہ
روتا ہے کبھی ہنس کے کبھی کہتا ہے کیا عشق میں بھی مزہ ہے سبحان اللہ

جس جا مجھے ملتا ہے مرا غیرت ماہ ہرگز وہ ملاتا ہے نہیں مجھ سے نگاہ
پر اس سیتی اے ہوس گلی کوچے میں بارے کبھی ہو جاتی ہے اللہ اللہ

شب اس کی گلی میں تو روتا نکلا اور اشک سے اپنے منہ کو دھوتا نکلا
اس یار نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ ہوس کیا درد ہے جو دل کو تو کھوتا نکلا

مکھڑا اپنا ہمیں دکھایا تو کرو اور منہ سے نقاب کو اٹھایا تو کرو
اس سے بھی گذرے ہم کہ اے جانِ بھلا گاہے گاہے ادھر بھی آیا تو کرو

ہر چند کیا میں نے تو اس سے پرواز　　پر لے گیا وہ دل کو مرے جوں شہباز
اک ایک قدم پہ قتل کرتا ہے وہ شوخ　　دیکھو تو ذرا چلنے کا اس کے انداز

مکھڑا نہ ہمیں اپنا دکھایا افسوس　　حالت پہ مری رحم نہ کھایا افسوس
افسوس مجھے دیکھ کے عالم کو ہوا　　افسوس ذرا تم نے نہ کھایا افسوس

ہجراں کے الم میں اشکباری نہ کرو　　فریاد و فغان و آہ و زاری نہ کرو
ٹک رحم کرو دل پہ ہوس بہر خدا　　حد سے تو زیادہ بیقراری نہ کرو

مطلعات

اس منہ کا گر وہ سلسلہ کامل کا دام ہو
واللہ دل کا آہوے رم کردہ رام ہو

کہیں کیا جو دنیا سے ہم لے چلے
غم و درد و رنج الم لے چلے

کہیں کیا فراق میں یار کے بدن اپنا زار و نزار ہے
نہ تو ہوش ہیں نہ حواس ہیں نہ تو صبر ہے نہ قرار ہے

میری اور قاتل کی گر تصویر کھینچا چاہیئے
پہلے اس کے ہاتھ میں شمشیر کھینچا چاہیئے

دم نہ مارے پھر مسیحا دیکھ اسے اعجاز سے
سینکڑوں مردے جلاتا ہے خرام ناز سے

ہم کو لالہ سے مطلب نہ سیر باغ سے کام
فقط ہے دل پرخوں کو ترے داغ سے کام

کبھی بادل گھر آتے ہیں کبھی تارے چمکتے ہیں
نہیں معلوم کیوں روتے ہیں کس کی راہ تکتے ہیں

پیچ و تاب کا نقشہ جو افعی نے اڑایا ہے
مگر اس شوخ کے زلف سیہ پر زہر کھایا ہے

کس سے کہیئے اور کون مانے ہے دل کی حالت خدا ہی جانے ہے

جفائیں ہم پہ ہوں اور غیروں پہ مہربانی ہو
بھلا بتا تو صنم کیونکے زندگانی ہو

آگے رکھتے تھے گہر دیدۂ نمناک کے مول
جب کہ نظروں سے گرے ہو گئے ہم خاک کے مول

دامن کو ترے کوچے سے اب لاگ لگی ہے
جی جاوے کدھر چاروں طرف آگ لگی ہے

دن کو ہوتی بیکلی اور شب کو اڑ جاتی ہے نیند
جس کے دل کو درد ہے پھر اس کو کب آتی ہے نیند

بلبے ظالم ترچھے تیکھے تو نے یہ کام کیا
آنکھ اٹھا کر جس کو دیکھا اس کا کام تمام کیا

جدائی تری کس کو منظور ہے
زمیں سخت ہے آسماں دور ہے

سفر کے چلنے کا جب دل نے اضطراب کیا
نکل کے آنکھوں سے آنسو نے بیقراب کیا

یہ کانٹا رہ گیا دل میں ہمارے
کبھی مجھی نہ دی دریا کنارے

صندلی رنگ کیوں نہ ہو مغرور
جس کے لگنے سے درد سر ہو دور

مدت سیتی میں طالب دیدار کھڑا ہوں
ٹک گھر سے نکل آ پس دیوار کھڑا ہوں

دن تو تیرے ہی تصور میں گزر جاتا ہے
رات کو خواب میں پھر تو ہی نظر آتا ہے

کروٹیں لیتے ہی لیتے ہائے اڑ جاتی ہے نیند
جس کے دل کو درد ہو وے اس کو کب آتی ہے نیند

عاشق اگر اس عشق میں بدنام نہ ہوتا
معشوق کا دنیا میں کہیں نام نہ ہوتا

ہم تمہارے آشنا مدت سے کہلاتے رہے
غیر آئے آج کل کے لے مزہ جاتے رہے

دیکھ اپنی آنکھ سے ہم دل کو بہلاتے رہے
گو کہ تیرے ہاتھ سے ہر چند دکھ پاتے رہے

چاہتے تھے تب تمہاری گالیاں کھاتے رہے
کیوں جی ہم صاحب سلامت سے بھی اب جاتے رہے

اک تو جھا شمع کی اور ستم گل گیر کا
کیا گنہ دیکھا جو سر کاٹو ہوئے تقصیر کا

ان بتان بے وفا سے ہم کو اب کیا کام ہے
یہ تو طالب زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہے

کہ جس وقت قاصد کا آنا ہوا
کہ ساتھی مرا دل روانہ ہوا

باغباں نے بند جب سے باغ کا رستہ کیا
ہم نے اپنا ہاتھ گل کھا کھا کے گلدستہ کیا

گل تو سب کھاتے ہیں پر گل کا ہے کھانا مشکل
ہاتھ کو داغ دیا جی کا جلانا مشکل

ہاتھ پر کھاتے ہیں گل یار کے دکھلانے کو
جی بڑا چاہتا ہے سینہ پہ گل کھانے کو

جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں
مثال لالہ دل داغدار رکھتے ہیں

صبح دم گلشن میں جا جب تم نے زلفاں کھولیاں
لے چلی باد صبا خوشبو سے بھر بھر جھولیاں

دامن اٹھا کے ناز سے تم تو چلے گئے
نقش قدم ہو پاؤں تلے ہم ملے گئے

میں نہ جانا تھا کہ تو یوں بے وفا ہو جائے گا
آشنا ہو اس قدر نا آشنا ہو جائے گا

قاتل تو میری نعش سے جانا پرے ہوئے
ٹھوکر سے جی اٹھیں نہ یہ عاشق گڑے ہوئے

دور سے سمجھے تھے ہم سجاف میں تحریر ہے
پاس جا دیکھا تو خوں عاشق کا دامنگیر ہے

ہم اٹھائے داغ بھی کھائے بہت　　دل لگا کر ہم تو پچھتائے بہت

کس نے آزردہ کیا مجھ سے مرے یار کے تئیں
لطف فرما کے تئیں مونس غمخوار کے تئیں

جاوے اگر صبا تو طرف کوے یار کو　　لے جائیو ہمارے بھی مشت غبار کو

سحر خیال میں جب وہ نگار گزرے ہے
نسیم تیر سی چھاتی سے پار گزرے ہے

چمن میں گل نے جو کل دعوی جمال کیا
جمال یار نے منہ اس کا خوب لال کیا

اشک امڈا ہوا پھر ضبط سے کم رکتا ہے
ناصحا اٹھ مری بالیں سے کہ دم رکتا ہے

اس دل کو نہ کچھ صبر ہے نہ درد ملا ہے
ناحق ہمیں دکھ دینے کو بیدرد ملا ہے

تفاوت پڑ گیا ملنے میں کیوں پیارے سبب کیا ہے
تو ہی انصاف کر دل میں کہ تب کیا تھا اور اب کیا ہے

آنے سے خط کے دونا ہوا حسن یار کا
آخر خزاں نے کچھ نہ اُجاڑا بہار کا

نہ خلوت نہ جلوت کے ہم یار ٹھہرے
فقط دیکھنے کے گنہ گار ٹھہرے

نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی   بس اب تیری تاثیر اے آہ دیکھی

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ وہ آہوں کی ہے دھونی
ہوا کیا درد کو پیارے گلی کیوں آج ہے سونی

آہ مشتاق چشم تر ہی رہے   ایسے قاصد گئے کہ مر ہی رہے

نہ کیا تو نے ایک بار افسوس   حال پر میرے صد ہزار افسوس

مفلسی سب بہار کھوتی ہے   حسن کا اعتبار کھوتی ہے

نصیب ایسے ہی کار کم کسی کے ہوئے کیا کسی کو نہ اپنا نہ ہم کسی کے ہوئے
ہائے یہ کیا کیا خدا تو نے کر دیا یار کو جُدا تو نے

دیکھنا یار کا یارو مجھے مقدور نہیں
وہ اگر فضل سے دکھلا دے تو کچھ دور نہیں

داغ چیچک کے منہ پہ پیارے ہیں
تو تو ہے چاند یہ ستارے ہیں

ایک جا رہتے نہیں عاشق ناکام کہیں
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

ساقیا مے دے یہاں تک کہ بہکتے جاویں
برق کی طرح جدھر جاویں چمکتے جاویں

ہم تو کم ظرف نہیں ہیں کہ بہکتے جاویں
پھول کی طرح جدھر جاویں مہکتے جاویں

سو سو طرح کی سیر و تماشا بہار ہو
پر اپنا وہیں کہ جہاں اپنا یار ہو

چمن میں کیا کروں نہ کوئی مہرباں اپنا
نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا

آنکھوں میں اس طرح سے ہیں آنسو بھرے ہوئے
جیوں تا بداں پر شیشہ رنگیں دھرے ہوئے

آنسو نہیں ہیں دیدۂ تر میں بھرے ہوئے
موتی ہیں آبدار صدف میں بھرے ہوئے

مجھ کو کیا کام ہے آتش سے نگر جلتا ہے
آتش عشق سے میرا ہی جگر جلتا ہے

دل پر ہمارے عشق کا چمکے ہے داغ ایک
اُجڑے نگر میں جیسے جلے ہے چراغ ایک

جتنے آئے ترے میخانے میں سب جھوم چلے
ساقیا باقی ہمیں تھے سو یہ محروم چلے

مستیٔ شوق سے اسرار کو بکنے جاویں
ساقیا ایسا چھکا دے کہ بہکنے جاویں

ساقی گھٹا بھی اُمڈی بجلی بھی دیکھ چمکی
مے دے تجھے قسم ہے اس مرے چشم نم کی

دور سے سمجھے تھے ہم فتراک میں نخچیر ہے
پاس جا دیکھا تو دل ہے یار اس کے تیر ہے

برنگ شمع سحر کر دیا اداس ہمیں　　فلک نہ دیکھ سکا ہائے تیرے پاس ہمیں

ہم غمزدوں کی کب کوئی لینے خبر آوے
بیمار محبت میں قضا ہی مگر آوے

دل لگتے ہی فلک نے جدائی نصیب کی
کس سے کہوں بھلا میں بُرائی نصیب کی

دیکھ دریا کو مرے دل کو لہر آتی ہے
کشتیٔ عمر کی افسوس بہی جاتی ہے

ایک دن پہلے ہی دُنیا سے اٹھانا ہم کو
یا الٰہی شب فرقت نہ دکھانا ہم کو

نہیں ہے داغ جگر میں تری جدائی کا
چراغ سینے میں روشن ہے آشنائی کا

پاؤں پہ ہاتھ جا ہی پڑا اضطرار سے　　تقصیر ہو گئی دل بیقرار سے

چمن سب لہلہاتے ہیں پرے بادل برستے ہیں
شتاب آ ساقیا ہم بادہ نوشی کو ترستے ہیں

پلا شراب ہوائے شراب آتی ہے
گھٹا بھی اپنا جھمکڑا اکھڑی دکھاتی ہے

جس وقت تری صورت آنکھوں میں نظر آوے
ٹکڑے ہو جگر وو ہیں پلکوں کے اوپر آوے

دیکھ صورت کو تری صیا د گھبرانے لگا
یا تو غم کھاتے تھے ہم اب ہم کو غم کھانے لگا

لپٹ کے سویا تھا تو شب کو کس کے سینے سے
کہ چولی تر ہے تری اب تلک پسینے سے

آپ سے کہیو ارے مہ رو کہا مہ و کر سلام
یاد رکھیو یہ تمہارے کاندھے اوپر بوجھ ہے

نہ ہاتھ اٹھائے فلک گو ہمارے کینے سے
کسے دماغ کہ ہو دو بدو کمینے سے

خوشی ہے دل کو مرے یاں تمہارے آنے سے
خدا کے واسطے آؤ کسی بہانے سے

جدا ہو کیونکے ترا نام میرے سینے سے
جدا ہوا ہے کہیں نقش بھی نگینے سے

پھرتا ہوں بیقراری کے مارے گھر سے
ہو جا ہمسایہ پاس تو پیارے گھر سے

کافر ہو کچھ خیال ہو گر عزو جاہ کا
الفت کا میں غلام ہوں چاکر ہوں چاہ کا

جس کو نظر سے مارے قدم بھر نہ جا سکے
ایسا تو تیر بھی نہ نشانہ لگا سکے

شب کو نیند آئی نہ تجھ بن دل جو دکھ دیتا رہا
بے کلی سے صبح تک میں کروٹیں لیتا رہا

تم جفا کار ہو جی کے جلانے والے
ہم ہیں رنج و ستم اور غم کے اٹھانے والے

بن دیکھے مجھے اس کے آرام نہیں آتا
ناصح ترا سمجھانا کچھ کام نہیں آتا

برسوں ہوئے ہیں دیکھا نہیں اپنے یار کو
کیونکر پڑے قرار دل بیقرار کو

تری فرقت سے مخالف ہے زمانہ اپنا
تو نے تس پر بھی ہمیں دوست نہ جانا اپنا

اٹھ گیا مجلس سے جو شب کو دامن جھاڑ کر
ہو گیا دیوانہ اک عالم گریباں پھاڑ کر

ہجر میں اس شوخ کے کاش کے مر جائیے
وہ تو نہ گذرا ادھر آپ ہی گذر جائیے

جدائی تیری سے کب تک یہ دردناک جیئے
مرے تو مر نہیں سکتا جیئے تو خاک جیئے

تندرستی کو سدا فضل الٰہی بوجھئے آبرو جگ میں رہے تو بادشاہی بوجھئے

دیکھ ہیکل کو دل ہوا بیکل تجھے ہے کل مجھے کہاں ہے کل

سمجھ کے رکھیو قدم جان میری موتی ہے
صدف کے سینے میں دریتیم موتی ہے

کیجو زمردی مرے مرقد کے سنگ کو
میں مر گیا ہوں دیکھ کے اس سبز رنگ کو

لگا کے تیر ادھر تو نے پھر نگاہ نہ کی
جگر سراہیئے میرا کہ میں نے آہ نہ کی

سامنے ہو کے مرے جب کہ وہ محبوب گیا
آنکھیں پتھرا گئیں غش آگیا دل ڈوب گیا

گلی میں یار کی جانے کا جب خیال کیا
قضا نے آکے وہیں جان کا سوال کیا

ترے دہن کی ثنا میں زباں کو لال کیا
پرے خیال سے پایا میں جب خیال کیا

دردِ فرقت سے چشم تر ہیں ہم
دل سے دو ٹکڑے تا جگر ہیں ہم

تمام عمر کی گفت و شنید یوں ہی گئی
گلے بھی تم نہ ملے اب کے عید یوں ہی گئی

رخصت ہوئے گلے نہ ملے اور نہ دید کی
ہم قتل ہو کے خاک ملے تم نے عید کی

موجبِ سب عیش و عشرت ہم کو تیری دید ہے
لگ گئے جس دن گلے تیرے اسی دن عید ہے

کس کو آزردہ کس کو خوش کیجئے
ایک دل ہے کسے کسے دیجئے

محبت اگر ہے ہماری تجھے
تو بس ہے یہی یادگاری مجھے

چشم پر آب ہے اور تس پہ جگر جلتا ہے
کیا قیامت ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے

جب رشتۂ الفت ہی یا ہم سے گیا گزرا
ہم تجھ سے گئے گزرے تو ہم سے گیا گزرا

دل پھنسا جا زلف میں اب سوئیے
شام کے مردے کو کب تک رویئے

جو گزری مجھ پہ اسے مت کہو ہوا سو ہوا
بلا کشان محبت پر جو ہوا سو ہوا

بلبل پڑی قفس میں جو لائق تھی باغ کے
اب ہے بہار گل کی نصیبوں میں زاغ کے

عاشق کی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

خوب رو خوب کام کرتے ہیں اک نگہ میں غلام کرتے ہیں
جب کہ آنکھیں دو چار ہوتی ہیں برچھیاں دل کے پار ہوتی ہیں

ترے کوچہ میں جتنے ہم بہ چشم زار بیٹھے ہیں
میاں گم کردہ دل ہیں جو یوں لاچار بیٹھے ہیں

تجھ تیر نگہ کے ترے قربان ادھر دیکھ
صدقے تری آنکھوں کے مری جان ادھر دیکھ

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہوئے خدا کرے

کیا مصیبت زدوں کا جینا ہے
سینکڑوں داغ ایک سینا ہے

خدا کسی سے کسی کا جدا حبیب نہ ہو
یہ وہ الم ہے کہ دشمن کے بھی نصیب نہ ہو

کیا پوچھتے ہو ہمدم اس جسم ناتواں کی
رگ رگ میں نیش غم ہے کہیئے کہاں کہاں کی

شور و غل لامکاں سے اٹھا آج سودا جہان سے اٹھا

ناز سے بسکہ زباں شوخ کی ہکلاتی ہے
بات اس لب پہ نزاکت سے گرہ کھاتی ہے

سونے نہ دے گا قبر میں یہ بیقرار دل
کہتا رہے گا حشر تلک یار یار دل

جگر سے نالہ دل سے آہ سینہ سے فغاں نکلا
سرائے تن سے کیا حسرت زدوں کا کارواں نکلا

مرا شیشہ سا دل اس سنگدل کے دل سے لگ ٹوٹا
تو نکلی یہ صدا سنگ جفا سے آہ دل ٹوٹا

علی کا بیاہ کیا ہی جگمگا ہے شب معراج اس کا رت جگا ہے

ناشتہ دل کا سحر اٹھتے ہی ہم کرتے ہیں
اپنی گزران عجب طرح سے ہم کرتے ہیں

سو رہا ہوں میں چدر تان کے چپکے چپکے
شاید آجائے موا جان کے چپکے چپکے

فرقت میں مر گئے ہم ہمدم تلک نہ پہونچے
دم ہم تاناک پہنچا ہم دم تلک نہ پہنچے

مل خون جگر میرا ہاتھوں کو حنا سمجھے
میں اور تو کیا کوسوں پر تم سے خدا سمجھے

یوں گوری چھاتی پہ ہے زنجیر طلائی
جوں کا نسہ چینی پہ ہے تحریر طلائی

بوٹا سا ہے قد اس کا اور چال میں چھل بل ہے
کیوں ہو نہ بہار اس پر اٹھتی ہوئی کوپل ہے

تمہارے ہاتھ میں اے لعل عجب خوں ریز پہنچی ہے
ہمارے قتل کی گویا یہ دستاویز پہنچی ہے

پھرتے ہیں دن کو کو بکو گذرے ہے شب کراہتے
ہوتی یہ کیوں خرابیاں گر نہ کسی کو چاہتے

مرا دل ہی گیا مجھ سے مرے لئے دوستاں ڈھونڈھوں
ادھر ڈھونڈھوں اُدھر ڈھونڈھوں یہاں ڈھونڈھوں وہاں ڈھونڈھوں

صبح کو یار مرا تیغ الم آوے گا
سر گنہ گاروں کا کرنے کو قلم آوے گا

اس تری یاد فراموش نے بے ہوش کیا
غیر سے یاد بدی ہم کو فراموش کیا

آہستہ کے چلنے میں گو شان نکلتی ہے
پر جلد چلو صاحب یاں جان نکلتی ہے

مرتا ہوں تشنگی سے قاتل شتاب ہو
خنجر گلے پہ رکھنا وہی جس میں آب ہو

سبزا ہے تیرے گال میں تو سبز رنگ ہے
سبزے کو تیرے دیکھ زمرد بھی دنگ ہے

جینا تو اپنی چشم کا دستور ہو گیا
دی تھی خدا نے آنکھ سو نا سور ہو گیا

پلا ٹک آب خنجر ہم کو ساقی تشنہ جاتے ہیں
جو کوئی مرتا ہے اس کے حلق میں پانی ہی چواتے ہیں

جس کے غم میں آہ ہم آرام سے واقف نہیں
کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں

آہ میں اپنی ثمر ڈھونڈھے ہے اے مجذوب تو
بید مجنوں میں کہیں لگتی ہیں پھلیاں دیکھیاں

تو نے قاتل کو بھر نظر دیکھا ملبے اے دل ترا جگر دیکھا

فانوس میں نہ جانیو شعلہ شرار کا پردے میں دل جلے کسی بیقرار کا

دل کو لیتے ہی بیوفائی کی   واہ جی خوب آشنائی کی

یہ رات ہجر کی یاں تک دکھ دکھانے لگی
کہ شکل مری سب کو بھول جانے لگی

اے درد ستاتا ہے ستا لے
تو بھی تو پڑے گا کسی بیدرد کے پالے

پھنسا ہے مانگ میں دل اب کہو یہ جائے کدھر
کہ آدھی رات اِدھر ہے اور آدھی رات اُدھر

آنکھوں نے طفل اشک سے کیا گفتگو کیا   ایسے نکل گئے کہ نہ پھر گھر کو رد کیا
خریداروں کو ہنستا ہے مرا دل   جو تو لیوے تو سستا ہے مرا دل
چھٹ جاوے کسی سے نہ ملاقات کسی کی   اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی
تری آنکھوں میں بستا ہے مرا دل   نگاہوں کو ترستا ہے مرا دل
دل کو میرے بے طرح الجھا گیا   کچھ چھبیلا سا مجھے دکھلا گیا

اگر یاد دے گلی تیری تو بلبل گلستاں بھولے
وگر نقش قدم یاد دے تو اپنا آشیاں بھولے

کسی کے پاس دیکھوں یار کو میں سہ نہیں سکتا
کہوں تو کہہ نہیں سکتا رہوں تو رہ نہیں سکتا

شمع رو بزم میں اپنی تو مجھے آنے دے
اس میں پروانہ جو جل جاوے تو جل جانے دے

آج وہ یار مرا مجھ سے جُدا ہوتا ہے
جی رہے یا نہ رہے دیکھئے کیا ہوتا ہے

باد بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ مرجھانے لگا
ہائے یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کُمھلانے لگا

ممکن نہیں ہے غیر بنگیں کام کسی کا
یوں جان کنی اپنی کرے اور نام کسی کا

آہ اپنی ناتواں ہے پہلو کو تھام کرکے
نکلے ہے دل سے باہر سو سو مقام کرکے

مثل نے ہر استخواں میں درد کی آواز ہے
کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

حیف ایام جوانی کے چلے جاتے ہیں
ہر گھڑی دن کی طرح ہم تو ڈھلے جاتے ہیں

تفاوت ہو گیا ملنے میں لئے پیارے سبب کیا ہے
تو ہی انصاف کر جی میں کہ جب کیا تھا اور اب کیا ہے

جو صنم خاطر نہ رکھے عاشق رنجور کی
اس سے بہتر ہے بھلا صاحب سلامت دور کی

تیرے کوچے سے جو اٹھ اہل جفا جاتے ہیں
تا نظر کام کرے رو بقعنا جاتے ہیں

اِدھر دیکھو تو کس ناز و ردا سے یار آتا ہے
مسیحا کی موئی امت کو ٹھوکر سے جگاتا ہے

مصور نے جو چاہا کھینچے مجھ دلگیر کی صورت
قلم سے کر ہاتھ میں وہ رہ گیا تصویر کی صورت

ہم خاک سے مسند پہ اقدام نہیں کرتے — جز بستر خاکستر آرام نہیں کرتے
یلبے عشق تیری شوکت و شاں — بھائی میرے تو اڑ گئے اوساں
جب نظر سے بہار گزرے ہے — جی پہ رفتار یار گزرے ہے
شب گذری اور آفتاب نکلا — تو گھر سے بھلا شتاب نکلا
جب گھر سے وہ مست خواب نکلا — سو فتنہ سے ہمراہ اب نکلا

ہم نے اس عشق میں جب راہ بیاباں پکڑا
آبلے پاؤں پڑے کانٹوں نے داماں پکڑا

مشاطہ ترے گھر سے جب لے کے نبات آئی
لب بند ہوئے سب کے کچھ منہ میں نہ بات آئی

گراں خاطر نہ ہونا گو پڑا ہے کام پتھر سے — نکالا کوہکن نے آخر اپنا نام پتھر سے

جدا جو پہلو سے وہ دلبر یگانہ ہوا
طپش کی یاں تئیں دل نے کہ درد شانہ ہوا

زلف کو کہنا پریشاں عقل سے دوری ہے یہ
ہر گرہ میں اس کے دل ہے گانٹھ کی پوری ہے یہ

سرے سے زلف کے مجھ کو پتے پابوس جانا ہے
اندھیری رات میں ہیہات کالے کوس جانا ہے

اندھیری رات میں ناحق دغا کھاتا ہے دل
زلف کا کوچہ ہے سربستہ کہاں جاتا ہے دل

سچ ہم نے جو تجھ سے دل ملایا
اپنا کیا ہم نے آپ پایا

ڈرتے ڈرتے جو ترے کوچہ میں آجاتا ہوں
صید خائف کی طرح رو بقفا جاتا ہوں

خلق کی چشموں میں گو مثل حباب آتا ہوں
عین دریا ہوں حقیقت میں بہا جاتا ہوں

آوے اگر پسند تمہیں یہ مکانِ چشم
دوہیں نکل کھڑے ہوں مردمانِ چشم

میں کہا ایک بوسہ دو صاحب
منہ بھرا کے بولا لو صاحب

سینہ اس کا ہے دل اس کا ہے جگر اس کا ہے
تیر بیداد جدھر رو کرے گھر اس کا ہے

نہیں فقط چشموں میں حیرت کے گذر اس کا ہے
مردمک وار ہر ایک دیدہ میں گھر اس کا ہے

غافل نہ رہ کہ جان ابھی ہے ابھی نہیں
کیا زیست کا گمان ابھی ہے ابھی نہیں

دن میں سو سو بار اس کے روبرو جانا مجھے
اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے

نہ صبر دل میں نہ تاب جی میں نہ خواب چشم پر آب میں ہے
غم جدائی سے جاں مری عجیب طرح کے عذاب میں ہے

یہ کس کی آتشِ غم نے جگر جلایا ہے
کہ تا فلک مرے شعلے نے سر اٹھایا ہے

ٹک تو فرصت دے کہ رخصت ہو چلے صیاد ہم
مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آباد ہم

واقف تھے ہم کہ عشق کے شیوے میں خیر نہیں
پر کیا کریں کہ دیدہ و دل اپنے بس نہیں

جب ہوئے تجھ سے جدا جیتے ہیں کیا مرتے ہیں
زندگانی کو کہاں موت کے دن بھرتے ہیں

کرنا تھا جو کچھ نہ کر گئے ہم　　افسوس کہ یونہیں مر گئے ہم

دل مرا گرد لب یار منڈلاتا ہے
یہ شکر خوردہ شکر چھوڑ کہاں جاتا ہے

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا　　جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑ یو　　خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑ یو

ہوئے ہیں عشق کے بیمار دیکھئے کیا ہو　　بہت برا ہے یہ آزار دیکھئے کیا ہو

ہمصفیران چمن ہم سے چمن چھوٹ گیا
کیا کریں کس سے کہیں ہائے وطن چھوٹ گیا

ہے عکس روئے رنگ گلابی نقاب کا
یہ منہ نہیں ہے پھول ہے گویا گلاب کا

کمی جس جا کرے بارش یہ کہیو جا کے دہقاں کو
کہ اپنی کشت پر لے جا ہماری چشم گریاں کو

جلا جلا کے مجھے شمع ساں تمام کیا
جدائی تیری نے آخر کو اپنا کام کیا

او دامن اٹھا کے جانے والے　　ٹک ہم کو بھی خاک سے اٹھالے

او میاں نوجوان اوچھے جی　　چلے کس کے مکان اوچھے جی

شتابی آکہ دل کو بیکلی ہے — تری ہر بات مصری کی ڈلی ہے

یہ لالہ نہیں کھلا مری لوح مزار سے — پھولا کسی کا داغ ہے میرے کنار سے

اے اشک مرے موتیوں کا ہار نہ ٹوٹے
دامان تلک یہ چلے پر تار نہ ٹوٹے

یہ آج کی خوشی مرے دل سے بعید ہے
دلبر مرا ملے تو وہی مجھ کو عید ہے

کسی پری رو کی ہوئی گرم نظر پانی میں
موج آتی ہے پٹکتی ہوئی سر پانی میں

کسی مہ رو کی ہوئی جب سے نظر پانی میں
ماہ نے شرم سے ڈالی ہے سپر پانی میں

زلف کو عارض نسرین پہ ہلتے دیکھا
صبح اور شام کو کس پیار سے ملتے دیکھا

تنگی جو تھی ترے دہن کی — غنچہ میں نہیں سکت سخن کی

ڈرتے ڈرتے نہ رہا نام کو ہم چشموں میں — آبرو کیونکے رہے گی مری ہم چشموں میں

ہوگئی آج یہ آپس میں قسم چشموں میں — تجھ سوا غیر کو دیکھیں گے نہ ہم چشموں میں

پڑتے تو سالے بہ گئے اے چشم آب ہو — اٹھا نہ رو کہ خانۂ مردم خراب ہو

نہ دن کو چین نہ شب کو ہے خواب آنکھوں میں
پھرے ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں

شمع رومت راہ دے محلس میں پروانے کے تئیں
اے ترے قربان ہم کیا کم ہیں جل جانے کے تئیں

ترے رخسار پہ کالا جو تِل ہے   خدا جانے کسی عاشق کا دل ہے

لبوں تیرے کی جب تعریف میخانہ میں ہوتی ہے
پیالے سے صراحی ہچکیاں لے کے روتی ہے

جھلک اس ماہ کی آئی جو نظر پانی میں
ساتھ ہی ڈوبے مجھے دیدہ تر پانی میں

آئینہ صفت حیراں صورت ہی کو تکتا ہوں
سکتے کا سا عالم ہے کچھ کہہ نہیں سکتا ہوں

عجب اس آئینہ کو صاف ناانصاف کہتے ہیں
رہے ہے جس کے جی میں عکس اس کو صاف کہتے ہیں

جان لبوں پہ آگئی تب بھی قلق نہ کم ہوا
تا بہ کجا یہ اضطراب دل نہ ہوا ستم ہوا

صبح پر وصل یار کی ٹھہری   ہائے پھر انتظار کی ٹھہری

برقع کو منہ پہ ڈھانپ کے جاتا ہے باغ میں
تا چھن کے آوے پھول کی خوشبو دماغ میں

ہم کس ہوس کی تجھ سے فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

اوڑھی ہوئی نہ اوڑھوں گی میں کل کی اوڑھنی
جانی مجھے منگا دے جھلاجھل کی اوڑھنی

چھوٹا بڑا نہ کم نہ مجھولا ازاربند
ہے اس پری کا سب میں امولا ازاربند

کیا ہے زیب خط نے صفحۂ روے مصفّا کو
جو فرماؤ اٹھا لوں لب سے میں اس حرف بیجا کو

خط کے آنے سے وہ چہرے کی صفائی کیا ہوئی
وہ منش گیری گئی نہ وہ میرزائی کیا ہوئی

خط کے آنے سے ہوا معلوم جانا حسن کا
نوخطوں نے اب نکالا بیتی خانہ حسن کا

منڈا کر خط کو اپنے حق میں کانٹا آپ بوتے ہیں
یہ عارض گل نہ ہووے گا عبث سبزے کو کھوتے ہیں

شب نہانے کو نہ جاتا بہ کمر پانی میں
غوطہ مت مار کہ بیٹھا ہو نہ مگر پانی میں

منزل کی مصیبت کو کوئی اہل سفر جانے
اس پر جو گذرتا ہے اس کا ہی جگر جانے

کہیو صبا جو پاوے تو محفل میں یار کو
سمجھاؤں کب تلک میں دل بیقرار کو

دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کروں
انکھیاں تو مانتی نہیں میں آہ کیا کروں

عشق کی کشتی میں اک بار ہی جا بیٹھے ہم
پہلی ہی موج میں گھر بار ڈبا بیٹھے ہم

عجب چمک سے میرے دل کا داغ جلتا ہے
بھلا ہے عشق کے گھر میں چراغ جلتا ہے

شعلہ بھبھک کے اٹھنے لگا دل کے داغ سے
آخر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یارب یہ داغ عشق ہو شہریار دل
مدت سے بے چراغ پڑا تھا دیار دل

غم نے پھلنکا مجھ کو تیرے عشق کے آغاز میں
باز کے طعمے ہوئے ہم پہلی ہی پرواز میں

سحر جو چہرے سے اس ماہ کے نقاب اٹھا
برہنہ خواب سے گھبرا کے آفتاب اٹھا

بیٹھا ہے کیا تو تیغ کو اے تند خو لئے　　پھرتا ہوں میں اسی کے لئے یہ گلو لئے

ہو گئے ہم تیری جان کے صدقے　　لے موئے لا الہ الا اللہ

درد دل کس سے کہوں کوئی مرا غمخواہ نہیں

اک مگر دل تھا میاں اس سے بھی کچھ راہ نہیں

درد دل کہنے کو جاتا ہوں کسی غمخوار کے پاس

بیقراری یہی کہتی ہے کہ چل یار کے پاس

یاد تیری جو مرے دل میں بھری رہتی ہے

لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں پری رہتی ہے

جان میری لے گئے اور جان میں رہتے ہو تم

جان سے مارا مجھے اب جان کیا کہتے ہو تم

ایک دن باغ میں چل کر مرا دل شاد کرو

بعد ازاں قتل کرو یا مجھے آزاد کرو

جب تک نہ دیکھا تھا تجھے دل بند تھا اوراق میں

تیری بھوؤں کو دیکھ کے جزدان چھوڑا طاق میں

اے شوخ اب اٹھا دے تو پردہ حجاب کا

پی لے شراب کیا ہی مزا ہے شراب کا

شمع کی بیقراری کو کہاں پہنچے ہے پروانہ
لرزنا سر کٹانا چپکے رہنا صاف جل جانا

میں اپنے دل کو کھو بیٹھا ترے دل کو نہ پہچانا
زمانے کی یہ خوبی ہے کہ نیکی کر کے پچھتانا

زلف کو کھولنا بہانا تھا مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

نہ دو آزار میرے دل کو اے آرام جاں سمجھو
یہ خوبی کچھ سدا رہتی نہیں اے مہرباں سمجھو

ساقی گئی بہار رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

سودا جو سنا تھا کسی کا نام یہی ہے آوارۂ صد زلف سیہ فام یہی ہے
رہنے دے زمیں پر مجھے آرام یہی ہے میں نقش کف پا ہوں مرا کام یہی ہے
جوں ہی چمن سے جھڑنے کی گل کے خبر گئی بلبل قفس میں ایسی تڑپی کہ مر گئی
صنم قسم ہے تجھے میرے دیدۂ نم کی تو کس رقیب کے کہنے سے دوستی کم کی

ترا دل مجھ سے نہیں ملتا مرا جی رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

جب جام کوئی عشق کا دنیا میں پیئے گا باللہ وہ مر جائے گا کیا خاک جیئے گا

مجھ پاس کچھ نہیں ہے یہ اللہ کا نام ہے
نور علی کا چہرے پہ دائم سلام ہے

یارب جو کہتا ہوں تو کہا میرا مان لے
سنتا نہیں کسی کی تو اپنی یہ جان لے

یہ فندق یا دیکھ کے افسوس ہوا ہے
خوں کس کی شہادت کا قدم بوس ہوا ہے

تجھ بنا دل میں پیارے کیا نہ کیا آیا کیا
دل مرے پہلو میں تو کل سخت گھبرایا کیا

عصا سے آہ اب اٹھتا نہیں ہے ضعف پیری سے
یہ منزل طے کریں اللہ کس کی دستگیری سے

علی کے نام کی تسبیح ورد ہے میرا ہزار شکر کہ دانا امام کا پایا
جدھر شمشیر اس قاتل کی چمکی سبھوں نے گردن تسلیم خم کی

داغ پر داغ ترے عشق میں کھایا ہم نے
جب سے عاشق ہوئے آرام نہ پایا ہم نے

پھرتی ہے مری آنکھوں میں تصویر یار کی
کب خوش لگے گی ہم کو یہ صورت بہار کی

تیری ہے قسم تجھ بن گر کچھ بھی خوش آتا ہو
کافر ہو جو اس میں بھی کچھ بات بناتا ہو

دل خاک میں ملایا تمہارے ملاپ نے
اچھا کیا سلوک یہ آ ہم سے آپ نے

نا قدر کو دل نہ دیجیے جو کہ رشک بدر ہو
چاہیے اس کو جسے کچھ چاہنے کی قدر ہو

جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے   یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے

یوسف کا جو نقشہ در و دیوار پہ کھینچا
کیوں تو نے زلیخا نہ دل زار پہ کھینچا

میاں صاحب مرے بیمار دل پر سخت مشکل ہے
نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے تڑپتا ہے نیم لبسمل ہے

خاک میں اپنے تئیں ایسا ملایا ہم نے
پھر غبار اس کا جو ڈھونڈھا تو نہ پایا ہم نے

اس درد کی دوا جو کیا اس طبیب نے   جو کچھ کیا خدا نے کیا یا نصیب نے

دیکھ تیرے عشق سے میں کس قدر رسوا ہوا
ایک تو حرمت گئی اور دوسرے سودا ہوا

کشتی عشق میں جس روز سے جا بیٹھے ہم
پہلے ہی موج میں گھر بار ڈبا بیٹھے ہم
گلی میں یار کے جانے کا جب خیال کیا
قضا نے آ کے وہیں جان کا سوال کیا
اگر ہو جاوہ نما روئے یار آنکھوں میں
خزاں میں بھی نظر آوے بہار آنکھوں میں
گیا اک پل میں سر سے گذر آب ابھی تھا چشم گریاں تا کمر آب
طرح ترکیب غضب وضع طرحدار غضب
کیا کہوں آہ کہ ہے وہ بت طرار غضب
مجرے کو ہر سحر ترے گھر آوے آفتاب
یا وے نہ بار شام کو پھر جاوے آفتاب
مکتب میں جس کے ہاتھ ادب کی کتاب ہے
خوبی میں آج ہم سبق آفتاب ہے
بڑی شکوہ سے آتا ہے قافلہ دل کا مثال شیشہ یہ ٹوٹا ہے آبلہ دل کا
ترے فراق میں ہم نے صبح سے شام کیا
نماز دل سے پڑھا عشق کو تمام کیا

زاہد نے شب کو توبہ جام و سبو کیا
ہم نے بھی تب سے ترک نماز وضو کیا

اے باد صبا باغ میں مت جائیو تڑکے
سوتا ہے وہی شوخ کہیں بات نہ کھڑکے

دل تو اب جاچکا کوئی تدبیر کیا کرے
بے جا پھنسا ہے دیکھئے تقدیر کیا کرے

یاد میں تیری ہیں اور تجھ کو دعا کرتے ہیں
آشنائی کا جو حق ہے سو ادا کرتے ہیں

عکس دنداں کا ترے گر جو گرے پانی میں
آب ہو جاوے خجالت سے گہر پانی میں

تو مثل کہربا کے ہے میں مثل کاہ کے
صورت سے کیوں خفا ہے تو اس رو سیاہ کے

کھینچا ہے لبکہ ہجر کا آزار کس طرح
نومید زیست سے ہو یہ بیمار کس طرح

کچھ آپ سے نہیں تم ہم سے اے میاں گستاخ
کیا ہے ہم نے تمہیں بہر امتحان گستاخ

آہ و نالہ کو نہ ہو کیونکے اثر سے پیوند
ہے مرا لخت جگر دیدۂ تر سے پیوند

خوبرویوں میں جہاں کے ہے وہ فرد
روبرو جس کے ہے مہر و مہ بھی گرد

جب تلک پہلو بہ پہلو یار وہ گلفام تھا
کیا کہوں دل کو مرے کیا چین و کیا آرام تھا

عجیب طرح کا جھگڑا رُخ نگار میں تھا
کہ آفتاب جہاں تاب کس شمار میں تھا

نالہ ہے وہ جاں خراشش میرا   دل جس سے ہے پاش پاش میرا
رہے ہے کس کے لئے دیدۂ خوں چکاں میرا
ہے زعفرانی یہ کیوں رنگ ارغواں میرا

گر شب ہجر میں آ دے مہ تاباں میرا
مثل بلبل ہی یہ دل رہتا ہے نالاں میرا

آنکھ اٹھاتا ہی نہیں پاؤں سے محبوب مرا
شرمگیں ہے بخدا وہ بت محجوب مرا

چونکا جو میں شب کو بے خبر سا   مکھڑا نظر آگیا قمر سا

آیا ہے اٹھا تیغ وہ خونخوار ہمارا
پوچھے ہے کہ کیدھر ہے گنہگار ہمارا

غم اس کا کچھ نہیں مجھے گر دوں اگر پھرا
ہے یہ غضب کہ مجھ سے وہ رشک قمر پھرا

بندہ پرور بندہ خانہ میں تو کب آتے ہیں آپ
کرکے کیوں وعدے یہ جھوٹے ہم کو بہلاتے ہیں آپ

پہلو سے مرے کیا ہوئی دلدار کی صورت
آنکھوں میں مرے پھرتی ہے اس یار کی صورت

نہ پوچھ مجھ سے تو زاہد کدھر ہے سجدہ درست
حریم یار کی ہر سمت پر ہے سجدہ درست

جن کے محل و قصر میں تھا کار سنگ و خشت
افتادہ وے پڑے ہیں سب آثار سنگ و خشت

کسی طرح کا کرو تم کام آج کی رات
رکھے گا آپ کو یاں یہ غلام آج کی رات

اب تمنا ہے یہی دل کی بجان و سر و دست
چھوڑ کر دونوں جہاں بیٹھے جا کر مرو دست

بادِ صبا یہ لاتی ہے تو گل کی بو عبث
تشہیر کیوں کرے ہے اسے کو بکو عبث

جی دیا ہم نے ترے وصل کے ارمان کے بیچ
ہوسیں رہ گئیں اپنے دل نالان کے بیچ

چہلیں مچائیں کیسی ہی ہر انجمن کے بیچ
لے جائے بامراد خدا گر وطن کے بیچ

اعجاز عیسوی ہے یہ تیرے سخن کے بیچ
گویائی کرنے لگتے ہیں مردے کفن کے بیچ

یارو یہ کیا عشق گراں بار ہو گیا
سمجھے تھے اس کو سہل یہ دشوار ہو گیا

دنیا یوں کہنے کو ہر ایک اپنا یار ہوا
جو پہنچے درد کو ایسا نہ غمگسار ہوا

گلشن میں صبح دم جو گزار صبا ہوا
گل کا چمن میں وا دہیں بند قبا ہوا

کس کے ہوئے ہو عشق میں بیمار سچ کہو
پایا ہے کس کے غم میں یہ آزار سچ کہو

دامن ہے ساتھ جیب کے اور چشم نم کے ساتھ
دوری میں تیری یاں ہے سروکار غم کے ساتھ

دل پہ گذرے ہے جو کچھ مجھ سے مری جان نہ پوچھ
پوچھ کر ہوگا پشیمان کہا مان نہ پوچھ

ہمصفیرو کیوں کہ وابستہ ہو میری اس گل کے ساتھ
جب مزاج اس کا ہو برہم نغمۂ بلبل کے ساتھ

ہاتھوں سے اس کے دل کو جو آزار ہے سو ہے
کیا پوچھتے ہو حالت بیمار ہے سو ہے

جب سے کہ لو لگی مجھے اس شعلہ خو سے ہے
اک طرح کا تپاک ہر اک شمع رو سے ہے

نہیں اشک ظالم یہ خون جگر ہے
نہ آنسو سمجھ ملکہ نور نظر ہے

رونے سے مرے برق کا ہوتا ہے جگر آب
اے دیدہ تر زہرہ آتش کو نہ کر آب

یاد میں کس کی دلا شام و سحر رہنے لگا
اشک خونیں سے ترا دامن جو تر رہنے لگا

ہر سحر اٹھتے ہی میں نے جس طرف کو رو کیا
کر تصور دلربا کو اپنے ہم پہلو کیا

ذبح گو تو نے مجھے اے بت سفاک کیا
خون سے آغشتہ دلے کس نے فتراک کیا

درد دل ہر چند میں اخفا کیا
اشک نے یہ راز پر افشا کیا

مسکن اپنا نہ کبھی یہ دل ناشاد کیا تم نے اس خانۂ ویراں کو نہ آباد کیا

لاکے لبوں پہ کل وہ مرا نام رہ گیا اس لال سے آہ میں ناکام رہ گیا

صورت دکھاکے اپنی وہ چینک لگا گیا

خوابیدہ فتنے کے تئیں آکر جگا گیا

وصل کا جب عہد و پیماں ہو گیا کلبۂ احزاں گلستاں ہو گیا

نے عندلیب و سبزہ نہ گلزار رہ گیا جاتی رہی بہار خس و خار رہ گیا

دل کا مرے اے لالہ رخاں حال زبوں ہے

سرتا بقدم داغ ہے اور غرقابہ خوں ہے

کہاں یہ حسن سدا اور کہاں جوانی ہے

نہ کر غرور پیارے یہ جائے فانی ہے

صورت دکھا کہ اب نہیں تاب فراق ہے

اس چشم منتظر کو ترا اشتیاق ہے

ساقی ہے مے و جام ہے کیا ابر و ہوا ہے

ہو جائے ہم آغوش وہ گلرو تو مزا ہے

اب سینکڑوں دل ہیں گئے گرفتار تمہارے

جو چاہو کرو ہیں یہ گنہگار تمہارے

رنج پایا ناہی رہا میں اس دل ناکام سے
چین کہتے ہیں کسے واقف نہیں آرام سے

شب بزم میں جو ہم تم مست شراب ہوتے
پھر غیر دل میں جل بھن کیا کیا کباب ہوتے

نے جام کی ہوا ہے نہ مے کی ہوس مجھے
اک گردش اس کی چشم کی ساقی ہے بس مجھے

مرض عشق نے از بس کیا بیمار مجھے
سر کو بالیں سے اٹھانا ہوا دشوار مجھے

یک بیک ایسی بے وفائی کی — مری جاں کیا ہی آشنائی کی
اگر زندگی نے ہماری وفا کی — تو دکھلائیں گے تم کو قدرت خدا کی

دل کو اس غنچہ دہن بن نہیں صورت کل کی
گل و گلشن نہ خوش آوے نہ ہوا جنگل کی

تجھ پہ جو روز و شب نگاہ کرے
پھر وہ کب رو بروے مہر و ماہ کرے

ملنے کو وا جو اس نے آغوش کر دیا ہے
ہم کو اسی ادا نے بے ہوش کر دیا ہے

جب سے جدا مجھ سے مرا یار ہوا ہے
واللہ کہ دل جینے سے بیزار ہوا ہے

مثل شبنم آ رہے تھے سیر گلشن کر چلے
باغباں تو دیکھ لے اپنا چمن ہم گھر چلے

ظلم سے تیرے ستم گر مجھ کو کیا اب باک ہے
پنجۂ غم سے گریباں تا بدامن چاک ہے

پوچھے جو کبھی حال مرے درد و الم کا
قاصد یہی کہنا کہ بھروسا نہیں دم کا

بے طاقت اس قدر یہ دل ناتواں ہوا
حرف تواں بھی اس کی زباں پر گراں ہوا

اے دل تو ایک زخم پہ سو زخم کھائیو
پر یہ نہ ہو کہ منت مرہم اٹھائیو

کاش کے دو دل جو ہوتے عشق میں
ایک رکھتے ایک کھوتے عشق میں

کاش کے سو دل جو ہوتے عشق میں
رفتہ رفتہ سب کو کھوتے عشق میں

آیا سجن ہے نیند سے اٹھ رسمسا ہوا
جامہ گلے میں رات کا پھولوں لبا ہوا

جوں غنچہ تو چمن میں بند قبا جو کھولے
پھر گل بیتی اے پیارے بلبل کبھو نہ بولے

نگاہ گرم اس کی اس طرح ہر بار پڑتی ہے
تو اتر جس طرح چورنگ پر تلوار پڑتی ہے

جب نظر تیکھی یہ اس کو نظر آئی ہوگی
بے اجل اس نے کنی ہیرے کی کھائی ہوگی

صبا کہیو ہماری طرف سے اس سرو قامت کو
کہ جب سے دل لیا آئے نہ پھر صاحب سلامت کو

گلوں کے پیڑ پہ بلبل عبث تو روتی ہے
کسی کے دل کی خبر کب کسو کو ہوتی ہے

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا
سرخ و سفید مٹی کی مورت ہوئی تو کیا

یہ فندق یاد دیکھ کے افسوس ہوا ہے
خوں کسی کی شہادت کا قدم بوس ہوا ہے

قیدی ہوں زلفوں کا نہ مقبول نظر کا
حیران ہوں الٰہی نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا

جو دل سے گرا اہل دلوں کے سو کدھر کا
دنیا کا نہ دیں کا نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا

جو گر پڑے آنکھوں سے ترے ہوئے کدھر کا
گردش میں وہ پھرتا ہے اِدھر کا نہ اُدھر کا

دنیا سے گیا دور نہ ہوا دین کے گھر کا
دوران کیا تجھ کو نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا

پھرتا ہوں سراسیمہ دیوانہ دہر کا
سائے کی طرح میں نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا

رہتا ہے جگر خون پہ پڑا لوٹتا ہوا
میرے غریب دل کو الٰہی یہ کیا ہوا

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا
شاید کہ مرا حال اسے یاد نہ آیا

نہ سمجھو خود بخود دل بیخبر ہے
نگہ میں اس پہ پردے اٹھے ہے

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا دیوے
کہ آخر بدنما لگتا ہے دیکھو چاند کو گہنا

قاصد جو اگر لا دے خبر میرے صنم کی
میں خاک اٹھا رکھوں ابھی تیرے قدم کی

مر چکے ہم یار جیب سے کہ پڑی تجھ پر نگاہ
پوچھ لے آنکھوں سے اپنی ہیں وہی دونوں گواہ

تصویر لکھوں چشم کی نرگس کی قلم سے
کہ تیرے سوا اور کو چاہوں تو قسم لے

کیا پوچھتے ہو کل تو عجب گھات ہو گئی
ظالم سے دوبدو کی ملاقات ہو گئی

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کا ٹانکے
اگر سینہ مرا دیکھے رفو جگر میں آ جاوے

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی کہ عاشق کا دل بنا

گلا لکھوں میں اگر تیری بے وفائی کا
لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا

نہ جانوں کون سا بیدرد مجھ کو یاد کرتا ہے
کلیجہ ہچکیاں لے لے جگر فریاد کرتا ہے

رکھتا تھا سینے اپنے میں اللہ ایک دل
سو وہ بھی دلبروں کو لگا کر چھنا لیا

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے

گو درد کو میرے وہ دل آزار نہ پہنچے
پر اس کو الٰہی کبھی آزار نہ پہنچے

جھکایا اپنا سر جب تیشہ فولاد کے آگے
رکھا چھاتی پہ پتھر عشق نے فرہاد کے آگے

کیوں کہ لایا بھیڑ میں کیا مجھ سے نادانی ہوئی
دختر رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی

کھول کر بند قبا کو ملک دل غارت کیا
کیا حصار قلب دلبر نے کھلے بندوں لیا

ہم ہیں بے دل دل اپنے پاس نہیں آہ اس کا بھی کچھ ہراس نہیں

عالم کی تیری چشم نے حالت تباہ کی دور فلک سے کم نہیں گردش نگاہ کی

گھر مرے آنا اگر منظور تھا آئے ہوتے لطف سے کیا دور تھا

نہ رہے باغ جہاں میں کبھی آرام سے ہم
پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم

اٹھ گیا ہم سے کیوں مکدر ہو خوش رہے وہ جہاں ہو جیدھر ہو

الفت جو کی ہے تم نے میاں اس کا ساتھ دو یا دل جو لے گئے ہو مرا میرے ہاتھ دو

دلبر نے جب اٹھا کر زلفوں کے بال باندھے
تب ہم نے اپنے دل میں سو سو خیال باندھے

عشق نے گرچہ مجھے خاک سر راہ کیا
اول اس کام کے انجام سے آگاہ کیا

اکیلا صنم باغ میں کل گیا تھا   اسے دیکھ کانٹوں پہ گل لوٹتا تھا

حسن اور عشق کو جس روز سے ایجاد کیا
مجھ کو دیوانہ کیا تجھ کو پریزاد کیا

دن جوانی کے گئے موسم پیری آیا   آبرو خواب ہے اب وقت حقیری آیا

گاہ بازو پہ ہے سر گہہ تہ خنجر دیکھا
راحت و رنج ترے ہاتھ سے اکثر دیکھا

اس نے جس دم نیچہ کر کے علم آگے دھرا
قتل عالم میں ہلاکو نے قدم آگے دھرا

نظر الطاف کی جی تم سے سبھی رکھتے ہیں
اک نظر میری طرف ہم بھی تو جی رکھتے ہیں

کانوں میں اس کے سبزے ہیں اس آب و تاب کے
جیسے کہ برگ سبز ہیں نیچے گلاب کے

کانوں میں اس کے پھول نہیں ہیں گلاب کے
پر زے شفق کے پہلو میں ہیں آفتاب کے
اس ماہ درخشاں کے چہرے کے مقابل ہو
لاحول ولا قوۃ خورشید کا منہ دیکھو
مت آستیں سے ساعد سیمیں نکال تو
رنگ حنا دکھا کے مجھے مار ڈال تو
آگ میں گو جلائیے دل کو   صبر کیونکر سکھائیے دل کو
شب مہتاب ہو صحرا ہو تو ہو
کہوں تیسا میں جو میری آرزو ہو
نہ یار ہے نہ کوئی آشنا ہے میرے ساتھ
خدا کے ساتھ ہوں میں اور خدا ہے میرے ساتھ
شانہ جس طرح رہے زلف پریشاں میں الجھ
یوں رہا ہاتھ میرا تار گریباں میں الجھ
عمر بس ماندہ کچھ ذلیل سی ہے   زندگانی بھی اب قلیل سی ہے
عبث تو آشیاں بلبل کا اے صیاد لوٹے ہے
کوئی بھی یوں کسی کا خانہ آباد لوٹے ہے

منہ چھپا کر آپ جب پردے کے اندر ہو گئے
مر گئے کیا ملکہ ہم مرنے سے بدتر ہو گئے

عیسیٰ کو ان لبوں کی گفتار مار ڈالے
رستم کو ابروؤں کی تلوار مار ڈالے

دشنام پاسباں کی دو چار کھا کے آئے
آخر ہم اس گلی سے خفت اٹھا کے آئے

یوں جو چاہو تو کرو کم نگہی لیک منہ پھیر نہ لو یہ نہ سہی

فردیات

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں
خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا

ملو یا مت ملو کچھ بھی غرض تم سے نہیں ہم کو
مری آنکھوں کی پتلی میں تری تصویر پھرتی ہے

جدائی سے تری اے صندلی رنگ   جہاں میں زندگی اب دردِ سر ہے
لکھا ہے بو علی سینا نے سے   کہ سونے سے مسافر کو خطر ہے

اس طرح خط کو منڈا کوئی تجھے ہو رکھتا کہیے
دولت حسن کا یہ جو بہے قینچی پہ چڑھا

سب کی آنکھوں میں ہم اک خار تھے سو ہم بھی چلے
بلبلو خوش رہو تم اب گل گلزار کے ساتھ

چاندنی بے وفا سے مت بولو   رات کو سب کے گھر میں جاتی ہے
درد سہنے کو اسے مرے اللہ   کیا ہمیں تھے تری خدائی میں

اے میاں پردہ نشیں مکھڑا ترا دیکھ لیا
وا چھڑے چھب سکے عجب آن تھی اللہ اکبر

محبت میں علی کی رفتہ رفتہ مرا دل اب ہوا ہے حیدر آباد

حال مجھ غمزدہ کا جس تس نے جب سنا ہوگا رو دیا ہوگیا

نگینے کے سوا ایسا بھی کوئی نام کرتا ہے
کہ ہو نام اور کا روشن اور اپنی روسیاہی ہو

ہمارے صید کرنے کو رکھے ہیں چہار دام اس نے
نین بادام و زلفیں دام اور جامہ دودامی کا

صاف دل ہونا بہت دشوار ہے آئینہ بھی عکس سے خالی نہیں

اری بے کسی تیرے قربان جاؤں
بُرے وقت میں ایک تو رہ گئی ہے

کمانِ ابرو مرے گھر کیوں نہ آوے
کہ جس کے واسطے کھینچے ہے چلّے

دم شمشیر میں قاتل کے عجب لذت ہے
سب شہیدوں نے اسی گھاٹ پیا پانی کو
ہو گئے ہم تیری جان کے صدقے لے موے لا الٰہ الا اللہ

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہونا رفو　　　تا قیامت سوزن الماس گر سیتی رہے

درد دل ہونے دے ناسور نہ کر اس کا علاج

جو مزا درد میں ہے سو نہیں درمان کے بیچ

علی کے نام کی تسبیح ورد ہے میرا　　　ہزار شکر کہ دانہ امام کا پایا

جان جاتے کسی لے نہیں دیکھی　　　دیکھ آنکھوں سے جان جاتی ہے

جان میری ہاتھ سے جاتی رہی　　　دیکھ تیرے ہاتھ پر پہنچی سیمی

آج اس باغ سے جیتی نہ پھرے گی بلبل　　　پنجرہ ہاتھ میں صیاد کے تابوتی ہے

بھول بیٹھا ہے کتخدا ہو کر　　　آج نوشہ کی کیا بنی ہیگی

نازک پینے پہ اپنے مغرور ہوئے ہو　　　موئی کمر نے تم کو فرعون کر رکھا ہے

لگ جا گلے سے جا کے دلا وقت ہے یہی

وہ گلبدن شراب میں سرشار ہے بہت

اس نازنیں کے ناز و ادا و کرشمہ کو

دیکھا ہے جن نے جان سے وہ مبتلا ہوا

چاک جگر تو سینکڑوں خاطر میں کچھ نہیں　　　دل کی طپش کی آگ سے لاچار ہو گیا

تیرا دل میں کچھ کھٹکتا ہے　　　دیکھئے ہم شکار کس کے ہیں

جس جگہ آنسو گرے ہے آبلہ پڑ جائے ہے　　　آہ ہے آتش ہوئی کیونکر بہم کیا جانئے

پوچھنے کیا ہو شب ہجر کی حالت یارو   میں ہوں اور رات ہے اور عالم تنہائی ہے

آصف نہ چھوڑ دست سخاوت کو زینہار
لایا ہے کچھ نہ ساتھ نہ جاوے گا کچھ لئے

مرے لوح مزار پہ یارو   کھینچیو انتظار کی صورت

سخت کاوش میں ہوں ہنگ نگیں   ایسے نام آوری کا منہ کالا

کیا کہیں درد آہ کی تاثیر   گھر کا گھر سیاہ مت پوچھو

کنج قفس سوا مری قسمت میں جانہ تھی   تو کیوں دیے فلک نے لگا بال و پر مجھے

دیکھے جو تیری چشم سیہ مست ایک بار
پھر حشر تلک وہ کبھی ہشیار نہ ہووے

حکاک کا پسر بھی مسیحا سے کم نہیں   فیروزہ مردہ ہووے تو اسکو بھی دے جلا

وے کئی غزلیں طرحی جو چھبیسویں ماہ جولائی کو شہر کلکتہ کے مشاعرے
میں پڑھی گئی تھیں، یہ ہیں۔

جواں تخلص، نام میرزا کاظم علی۔ اب کلکتہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہ ان سے ہے۔

چاہتا ہے جی کسی سے دل لگایا چاہیئے
بیٹھئے لے پاس ناز اس کے اٹھایا چاہیئے

کچھ نظر آتا نہیں ہے ان میں جز سنگین دلی
سخت مشکل میں ہوں کس بت کو خدایا چاہیئے

ان کی بے مہری سے مجھ کو بھی یہی ہر دم ہے سوچ
ترک کیجئے عشق خوباں ناصحا یا چاہیئے

آنکھ سے اوجھل تمھیں جو ہونے دیتے ہی نہیں
خاک ڈال آنکھوں میں ان کی آج آیا چاہیئے

کب کسی کی جان کی اے جان ہے پروا تمہیں ق
جی یہی چاہے ہے تازہ رنگ لایا چاہیئے

ایک دم کو گو ہزاروں رات ہو جائیں خوں
پان کھایا چاہیئے مسی لگایا چاہیئے

مرغ دست آموز سا اس طائر دل کو مرے
پائے بند دام الفت کر ہلایا چاہیئے

رات وہ مجھ کو سنا کہنے لگا یوں غیر سے
گرم جوشی کر کسی کا جی جلایا چاہیئے

کیا نظر بازی کا ہے یہ آنکھ میں جسکا پڑا
ہر پری رو کو یہ چاہے ہے اڑایا چاہیئے

قافیہ پیمائی ہے ہر چند لیکن اے جواں
پیچ بیتی اک غزل اور اب سنایا چاہیئے

قدر اپنی خاکساری کی جتایا چاہیئے
اس کی خاک آستاں پر سر جھکایا چاہیئے

گفتگو سے کافر و دیندار باہم اے نقیض
سب کی سنئے پر یقیں دل میں یہ لایا چاہیئے

بحث نفی ماسوا سے نکلے ہے اثبات حق

حق کو سمجھا چاہئے جھگڑا چکا یا چاہئے۔

یہ دل موسیٰ منش مشتاق ہے دیدار کا

لن ترانی کیجئے پر جلوہ دکھایا چاہئے

گر مآل کار پر تجھ کو نظر ہے اے جواں

سب سے بگڑا چاہئے اُس سے بنایا چاہئے

حیدری تخلص نام میر حیدر بخش - دلی کے رہنے والے - یہ ان سے ہے ۔

دھن بندھی ہے اب یہی اس پاس جایا چاہئے

شرح دردِ غم کسی ڈھب سے سنایا چاہئے

آرزوئے گوہر مقصد اگر ہے جوں صدف

چشم نیساں کی جھڑی سی اب لگایا چاہئے

یہ ہوائے باغ ہستی آج کچھ ہے کل ہے کچھ

دل کو اس سیر دو روزہ سے اٹھایا چاہئے

اس نصیحت سے تو بہتر ہے یہی اے ناصحو

کر کے کچھ تقریر یہاں تک اس کو لایا چاہئے

شیخ پھر کعبہ کو جا دے تو کروں اس کو سلام
ایک بار اس بت کے کوچے کو دکھایا چاہیے

منع الفت گر مجھے کرتے ہو ہر دم دوستو
تو تو قسمت کے لکھے کو بھی مٹایا چاہیے

کیا یہ رنجش کی بری خو تم میں ہے اے میری جاں
وجہ کچھ ہو یا نہ ہو پر منہ پھلایا چاہیے

عشق میں کہتے ہیں کس کو بھوک یارب کس کو پیاس
پیجیے خون جگر غصہ ہی کھایا چاہیے

حیدری ہوں چشم در سے تا در شاہ نجف
اے حرم کے رہنے والو مجھ کو جایا چاہیے

رواں تخلص، نام سید جعفر علی لکھنو کے رہنے والے۔ میر کاظم
علی جواں کے شاگرد۔ یہ ان سے ہے -

کر خرام ناز اب مقتل پہ آیا چاہیے
ہو گئے ہیں قتل جو ان کو جلایا چاہیے

گر نہ خلوت کے ٹھکانے سب بتایا چاہیئے
تو ٹھکانے ہی مجھے جا تا لگانا چاہیئے

پی کے مے گلشن میں وہ سویا پڑا ہے اے نسیم
اب صبوحی کے لیئے اس کو جگایا چاہیئے

پاس جا بیٹھوں ڈھٹائی سے تو یہ سوچے ہے وہ
جلد پہلو سے اسے اپنے اٹھایا چاہیئے

مست پھریئے بادہ خواری کرتے ہر سو تا کجا
بیخودی سے آپ میں اک دن تو آیا چاہیئے

کشتیٔ دل چرخ کھاتی ہے بگرداب بلا
اس کو اب لے شورش گریہ بہایا چاہیئے

تیغ کھینچے جرم الفت پر وہ ظالم جس گھڑی
بے تکلف سر وہیں اپنا جھکایا چاہیئے

پایئے جس گلبدن میں بوئے الفت کچھ بھی تو
گلشن ہستی میں دل اس سے ملایا چاہیئے

اگلی صحبت کی خرابی محو کر کے شیخ جی
بزم رنداں میں بھلا اک دم تو آیا چاہیئے

جی میں آتا ہے کہ اصحابِ سخن کو اک غزل
اور بھی اس بحر میں پڑھ کر سنایا چاہیے

غزل در غزل

دھوم ہر دم اس کے کوچے میں مچایا چاہیے
خبطی و وحشی سڑی مجنوں کہایا چاہیے

عشق میں لیلیٰ وشوں کے گھر لٹایا چاہیے
وادیٔ مجنوں میں اک تکیہ بنایا چاہیے

شاید آوے بام پر بہرِ تماشا اس لئے
سانگ کوچے میں نیا اک اس کے لایا چاہیے

جان جاوے گی کسی کی مفت فرطِ شوق سے
قاصدا عرصہ نہ جانے میں لگایا چاہیے

پاس آنے دے وہ کیونکر جب اسے منظور ہو
دور اپنے سے اسے چندے پھرایا چاہیے

آتشِ فرقت سے دل اب جل رہا ہے لیکن آہ
کھا کے گل ہاتھوں پہ گلدستہ بنایا چاہیے

صفحہ دل سے کرے حک حرف الفت غیر کا
دل میں ہے اس طرح سے اس کو پڑھایا چاہیے
حال اپنی بے ثباتی کا بیاں کر مثل ابر
مزرع دنیا پہ یاروں کو رلایا چاہیے
وصل کی شب دیکھ وحشی سا مجھے کہتا ہے وہ
ہاتھ آگے کو نہ بس اپنا بڑھایا چاہیے
وحشت دل کہتی ہے کیجئے گریباں تار تار
تو کہے ہے ناصح مشفق سلایا چاہیے
نامہ پہنچا دے کبوتر گر کسی کا بن پڑے
کاغذ بادی سا مرت اس کو اڑایا چاہیے
باتوں باتوں میں جو اک عالم کو کرتا ہوں تمام
ہلو نہٹ کیونکر روبرو اس کے ہلایا چاہیے
سب تو سرگرم تماشا ہو رہے ہیں اے رواں
داغ ہائے سینہ اس کو بھی دکھایا چاہیے

شہرت تخلص۔ نام افتخار الدین علیخاں۔ کلکتہ تشریف رکھتے ہیں۔ یہ ان سے ہے۔

غیر کا کہنا نہ سنئے منہ دکھایا چاہیئے
جان بھی جاتی ہے جاناں اب تو آیا چاہیئے

ویس ورامی کا اسے قصہ سنایا چاہیئے
درد دل اپنا کسی ڈھب سے جتایا چاہیئے

عمر گذری ہاتھ پھر آیا نہ کچھ کیا فائدہ
اب دعا ہی مانگنے سے ہاتھ اٹھایا چاہیئے

غیر کے خط میں لکھا ہے تم نے بندے کو سلام
ہر طرح صاحب نہ ہم کو ستایا چاہیئے

دیکھو اک غنچہ سے تم ہیں پھول جھڑتے سو ہزار
ہر مرے غنچہ دہن کو ٹک ہنسایا چاہیئے

دین و دل صبر و خرد پھر سب یہ جاتے ہیں وہیں
دل زرا زاہد کا اس کافر پہ آیا چاہیئے

اب بہت باتیں بنا کر آتے ہو بن بن کے تم
ایک دن اے ناصحو تم کو بنایا چاہیئے

تیری معشوقی کو دائم عاشقوں سے کام ہے
سلطنت کے واسطے جمع رعایا چاہیئے

ہاتھ خالی لے کے کیا جاناں کے در پر جاؤں جی
نذر کو شے کی کچھ از قسم ہدایا چاہیئے
سر تو ہے شوریدہ جاں اک ہے سو پژمردہ زبوں
اس تہی دستی سے بہتر ہے نہ جایا چاہیئے
ہے بہت کم ظرف دوراں تنگ آیا میں مجھے
شہرت اب جہاں سرا سے اس کی جایا چاہیئے

عیاں تخلص، نام مرزا ہاشم علی۔ مرزا کاظم علی جواں کے بیٹے۔ یہ ان سے ہے۔

عالم طفلی ہی میں دل کو لگایا چاہیئے
چاہنے والوں کے حلقے میں در آیا چاہیئے
خوش اداؤں کے ہر اک دم ناز اٹھایا چاہیئے
جب وہ اٹھے پاؤں پر پڑ کر منایا چاہیئے
لیجیئے ہر آن ہر دم یار کے کوچہ کی راہ
جو کوئی پوچھے اسے پتا بتایا چاہیئے
باتوں باتوں میں اسے دیوانہ لیتے ہیں بنا
دل کسی کا ان پہ لینا دوں پہ آیا چاہیئے

منتظر ہے ایک عالم بر لب بام آن کہ
جوں ہلال ماہ عید ابرو دکھایا چاہیئے

کیوں نکالے ہے مجھے کوچے سے ہو ہو کر خفا
جلوہ گاہ عام میں اپنا پرایا چاہیئے

استعفا دے کے لئے اب اس غزل کو اے عیاںؔ
شاعروں کی بزم میں سب کو سنایا چاہیئے

قاسم تخلص، نام ابوالقاسم خاں، بکلکتہ میں تشریف فرما ہیں۔ یہ ان سے ہے۔

ہجر میں اس گل کے گل ہاتھوں پر کھایا چاہیئے
ہاتھ کو گلدستہ رنگیں بنایا چاہیئے

دل کہے ہے گیردی کفنی رنگایا چاہیئے
بھیس اے قاسمؔ فقیری کا بنایا چاہیئے

جی اسی کے دھیان میں اپنا لگایا چاہیئے
دل سے اسباب تعلق سب اٹھایا چاہیئے

خانقاہ قیس پر اور مرقد فرہاد پر
شمع اور گل عاشقو جا کر چڑھایا چاہیئے

آگ بھڑکی ہے جگر میں بے طرح اے چشم تر
دے کے چھینٹا اشک کا اس کو بجھایا چاہیئے

اٹھ نہیں سکتے کے جوں نقش قدم در سے ترے
اب اٹھانے سے ہمارے ہاتھ اٹھایا چاہیئے

چاہتے ہو گر شفا اس عاشق رنجور کی
خاک تھوڑی مرقد مجنوں سے لایا چاہیئے

ہو کے پامال خرام ناز جوں نقش قدم
آپ کو کوچے میں اس کے پس مٹایا چاہیئے

تاک کے سایے میں جا کر خوشۂ انگور کو
آبلۂ دل کے دکھا غیرت دلایا چاہیئے

اب اذیت دہ ہے پورب کی ہوا ہے مختلف
یاں سے اسباب سکونت کو اٹھایا چاہیئے

لگ رہی ہے لو ہی قاسم کئی دن سے ہمیں
حضرت دہلی کو کلکتے سے جایا چاہیئے

ممتاز تخلص، نام مرزا قاسم علی مرزا کاظم علی جوان کے بڑے لڑکے۔ یہ ان سے ہے۔

لطف پھر پہلے مزاج یار لایا چاہیے
ہمدم ہو تب درد دل اس کو سنایا چاہیے

تم کو دیتا ہوں قسم اے حاضران بزم یار
بھولے جو کہ یاد میری بھی دلایا چاہیے

خشک ہو جاتا ہوں کچھ کچھ سوچ جب کہتا ہے وہ
جا بہ پشت بام بال اپنے سکھایا چاہیے

پاس اس کے جا کے بیٹھوں ہوں تو آپس میں رقیب
کہتے ہیں اس کو کسی ڈھب سے اٹھایا چاہیے

دل پہ جو کھایا ہے ہم نے آہ داغ بیکسی
یہ چراغ اب گور مجنوں پہ جلایا چاہیے

گر شہادت مشربی سے دل ترا لبریز ہے
جوں شفق اپنے ہی لوہو میں نہایا چاہیے

شوق تیر اندازی کا اس کو ہوا ہے اندنوں
خاک تودہ اپنے سینہ کو بنایا چاہیے

سبزئ خط دیکھ اس کے چہرۂ گل رنگ پر
کہتے ہیں سبزان گلشن زہر کھایا چاہیے

چشم براہ کب سے ہے یہ منتظر دیدار کا
کہ خرام ناز اسے جلوہ دکھایا چاہیے

گو کہ یہ چرخ ستمگر دم بدم برسائے خوں
تیغ قاتل کا ہمارے سر پہ سایا چاہیے

شوق یک رنگی ترے دل میں جو ہے ممتاز تو
یاد میں اس کے دو عالم کو بھلایا چاہیے

ولا تخلص، نام مرزا لطف علی عرف مظہر علیخاں کلکتہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہ ان سے ہے۔

انس و جاں مشتاق ہیں مکھڑا دکھایا چاہیے
اے پری رو چہرے سے برقع اٹھایا چاہیے

پھول پھل کی باغ عالم میں نہیں پروا ہمیں
ہاں مگر اس سرو قد کا سر پہ سایا چاہیے

کیا ہوا اُٹھا ابر ہے دے جام بھر کر ساقیا　　جی میں ہے گلشن میں جا دھومیں مچایا چاہیے
اب تو اک پردہ نشیں پر آ گیا ہے دل مرا　　راز یہ افشا نہ ہو اس کو چھپایا چاہیے
قصۂ فرہاد اور مجنوں کہوں میں کب تلک　　اس میں شامل کرکے حالِ دل سنایا چاہیے
بزم میں شب دیکھ مجھ کو غیر سے کہنے لگا　　بیٹھے اس ڈھب سے جو اس کو اٹھایا چاہیے
مے کشی ارزال کی پوچھو ہو کیا اے ہمدمو　　گن بھرے ہیں پیٹ میں ٹک منہ لگایا چاہیے
ایک مدت سے تمہارے وصل کا مشتاق ہوں　　کہتے ہو کیا آنکھ تو مجھ سے ملایا چاہیے
جب سفارش میری اس کی تو ہی کرتا ہے دلا　　یعنی خلوت میں کبھی اس کو بلایا چاہیے
ہنس کے تب کہتا ہے اس سے وہ نہیں چھوٹیگا پنڈ
ایسا جو ہٹی ہو منہ اس کو لگایا چاہیے

تمام شد بتاریخ سی ام ماہ ستمبر ۱۸۱۲ء بتوفیق اللہ

[illegible] دل میں — راز یہ فنا ہوا اسکو چھپایا جائے

[illegible] — اسمیں شامل کر کے ملال دل بنایا جائے

[illegible] مجھکو [illegible] — بیٹھے ہیں دم سے جو اسکو اٹھایا جائے

[illegible] ہو گیا ہوں — گل ہوئے ہیں مشق میں [illegible] منہ لگایا جائے

[illegible] ہوں — کہتے ہو کیا کہہ تو مجھے بلایا جائے

[illegible] — بیٹھے خلوت میں کبھی اسکو بلایا جائے

[illegible] — اب جو بیٹھی ہو سنہ اسکو لگایا جائے

تمام شد بتاریخ [illegible] ماہ [illegible]

بتوفیق اللہ

طباعت :- سال ۱۹۵۹ء

مطبع :- لیبل لیتھو پریس رمنہ روڈ پٹنہ ۴

قیمت ....

کتبہ ظفر عالم دربھنگوی